بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم — وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ

جلد 48

ایڈیٹر
منیر احمد خادم
نائبین
قریشی محمد فضل اللہ
منصور احمد

Postal Registration No:p/GDP-23

ہفت روزہ
بدر
قادیان

The Weekly BADR Qadian

شمارہ 28
شرح چندہ
سالانہ 150 روپے
بیرونی ممالک
بذریعہ ہوائی ڈاک
20 پونڈ یا 40 ڈالر
امریکن۔ بذریعہ
بحری ڈاک
10 پونڈ

یکم ربیع الثانی 1420 ہجری 15 وفا 1378 ہش 15 جولائی 1999ء

لندن ۱۵ جولائی 99 (مسلم ٹیلی ویژن احمدیہ انٹر نیشنل) سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اللہ تعالیٰ کے فضل سے بخیر و عافیت ہیں الحمد للہ۔

کل حضور نے مسجد فضل لندن میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا حضور نے سابقہ مضمون کو ہی جاری رکھتے ہوئے شہداء کے **مختصر کوائف بیان فرمائے۔**

پیارے آقا کی صحت و تندرستی درازی عمر مقاصد عالیہ میں فائز المرامی اور خصوصی حفاظت کیلئے احباب دعائیں جاری رکھیں۔ اللھم اید امامنا بروح القدس۔

بیعت کی غرض و غایت اور فوائد

کلمات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

۲۹ر ستمبر ۱۹۰۳ء کو بوقت شام بیعت لینے کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی۔

ہر ایک شخص جو میرے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے اُس کو سمجھ لینا چاہئے کہ اُس کی بیعت کی کیا غرض ہے؟ کیا وہ دنیا کیلئے بیعت کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے۔ بہت سے ایسے بد قسمت انسان ہوتے ہیں کہ اُن کی بیعت کی **غائت اور مقصود صرف دنیا ہوتی ہے ورنہ بیعت سے اُن کے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی اور وہ حقیقی یقین اور معرفت کا نور جو حقیقی بیعت کے نتائج اور ثمرات ہیں اُن میں پیدا نہیں** ہوتے۔ اُن کے اعمال میں کوئی خوبی اور صفائی نہیں آتی۔ نیکیوں میں ترقی نہیں کرتے۔ گناہوں سے بچتے نہیں۔ ایسے لوگوں کو جو دنیا کو ہی اپنا **اصل مقصود ٹھہراتے ہیں یاد رکھنا چاہئے کہ**

دنیا روزے چند آخر کار با خداوند

یہ چند روزہ دنیا تو ہر حال میں گذر جاوے گی خواہ تنگی میں گذرے خواہ فراخی میں۔ مگر آخرت کا معاملہ بڑا سخت معاملہ ہے وہ ہمیشہ کا مقام ہے اور اُس کا انقطاع نہیں ہے۔ پس اگر اُس مقام میں وہ اسی حالت میں گیا کہ خدا تعالیٰ سے اُس نے صفائی کرلی تھی اور اللہ تعالیٰ کا خوف اُس کے دل پر مستولی تھا اور وہ معصیت سے توبہ کر کے ہر ایک گناہ سے جس کو اللہ تعالیٰ نے گناہ کر کے پکارا ہے بچتا رہا تو خدا تعالیٰ کا فضل اُس کی دستگیری کرے گا اور وہ اُس مقام پر ہوگا کہ خدا اُس سے راضی ہوگا **اور وہ اپنے رب سے راضی** ہوگا۔ اور اگر ایسا نہیں کیا بلکہ لاپرواہی کے ساتھ اپنی زندگی بسر کی ہے تو پھر اُس کا انجام خطرناک ہے اِس لئے بیعت کرتے وقت یہ فیصلہ کر لینا چاہئے کہ **بیعت کی کیا غرض ہے** اور اِس سے کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ **اگر محض دنیا کی خاطر ہے تو بے فائدہ ہے** لیکن اگر دین کیلئے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ہے تو ایسی بیعت مبارک اور اپنی اصل غرض اور مقصد کو ساتھ رکھنے والی ہے جس سے اُن فوائد اور منافع کی پوری امید کی جاتی ہے جو سچی بیعت سے حاصل ہوتے ہیں۔ ایسی بیعت سے انسان کو دو بڑے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **ایک تو یہ کہ وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہے** اور حقیقی توبہ انسان کو خدا تعالیٰ کا محبوب بنا دیتی ہے اور اِس سے پاکیزگی اور طہارت کی توفیق ملتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور نیز اُن لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو گناہوں کی کشش سے پاک ہونے والے ہیں۔ توبہ حقیقت میں ایک ایسی شئے ہے کہ جب وہ اپنے حقیقی لوازمات کے ساتھ کی جاوے تو اُس کے ساتھ ہی انسان کے اندر ایک پاکیزگی کا بیج بویا جاتا ہے جو اُس کو نیکیوں کا وارث بنا دیتا ہے۔ یہی باعث ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہوتا ہے کہ گویا اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ یعنی توبہ سے پہلے کے گناہ اُس کے معاف ہو جاتے ہیں۔ اُس وقت سے پہلے جو کچھ **بھی اُس کے حالات تھے اور جو بیجا حرکات** اور بے اعتدالیاں اُس کے چال چلن میں پائی جاتی تھیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اُن کو معاف کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک عہد صلح باندھا جاتا ہے اور نیا حساب شروع ہوتا ہے۔ پس اگر اُس نے خدا تعالیٰ کے حضور سچے دل سے توبہ کی ہے تو اُسے چاہئے کہ اب اپنے گناہوں کا نیا حساب نہ ڈالے اور پھر اپنے آپ کو گناہ کی ناپاکی سے آلودہ نہ کرے بلکہ ہمیشہ استغفار اور دُعاؤں کے ساتھ اپنی طہارت اور صفائی کی طرف متوجہ رہے اور خدا تعالیٰ کو راضی اور خوش کرنے کی فکر میں لگا رہے اور اپنی اُس زندگی کے حالات پر نادم اور شرمسار رہے جو توبہ کے زمانہ سے پہلے گذری ہے۔

انسان کی عمر کے کئی حصے ہوتے ہیں اور ہر ایک حصہ میں کئی قسم کے گناہ ہوتے ہیں مثلاً ایک حصہ جوانی کا ہوتا ہے جس میں اُس کے حسبِ حال جذبات کسل و غفلت ہوتی ہے۔ پھر دوسری عمر کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ جس میں دغا۔ فریب۔ ریاکاری اور مختلف قسم کے گناہ ہوتے ہیں۔ غرض عمر کا ہر ایک حصہ اپنی طرز کے گناہ رکھتا ہے۔

پس یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اُس نے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے اور وہ توبہ کرنے والے کے گناہ بخش دیتا ہے اور توبہ کے ذریعہ انسان پھر اپنے ربّ سے صلح کر سکتا ہے۔ دیکھو انسان پر جب کوئی جُرم ثابت ہو جائے تو وہ قابلِ سزا ٹھہر جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِماً فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ۔ یعنی جو اپنے رب کے حضور مجرم ہو کر آتا ہے اس کی سزا جہنّم ہے وہاں وہ نہ جیتا ہے نہ مرتا ہے۔ یہ ایک جرم کی سزا ہے اور جو ہزاروں لاکھوں جرموں کا مرتکب ہو اُس کا کیا حال ہوگا۔ اگر کوئی شخص عدالت میں پیش ہو **اور بعد ثبوت اُس پر فرد قرار داد جرم بھی لگ جاوے اور اُس کے بعد عدالت اُس کو چھوڑ دے تو کس قدر احسان عظیم اُس حاکم کا** ہوگا۔ اب غور کرو کہ یہ توبہ وہی بریّت ہے جو فرد قرار داد جُرم کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ توبہ کرنے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ پہلے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

اِس لئے انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے کہ کس قدر گناہوں میں وہ مبتلا تھا اور اُن کی سزا کس قدر اس کو ملنے والی تھی جو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے معاف کر دی۔ پس تم نے جو اب توبہ کی ہے چاہئے کہ تم اِس توبہ کی حقیقت سے واقف ہو کر اُن تمام گناہوں سے بچو جن میں تم مبتلا تھے اور جن سے بچنے کا تم نے اقرار کیا ہے۔ ہر ایک گناہ خواہ وہ زبان کا ہو یا آنکھ یا کان کا۔ غرض ہر اعضاء کے الگ الگ گناہ ہیں۔ اُن سے بچتے رہو۔ کیونکہ گناہ ایک زہر ہے جو انسان کو ہلاک کر دیتا ہے۔ گناہ کی زہر وقتاً فوقتاً جمع ہوتی رہتی ہے اور آخر اُس مقدار اور حد تک پہنچ جاتی ہے جہاں انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ پس بیعت کا پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ یہ گناہ کے زہر کے لئے تریاق ہے۔ اس کے اثر سے محفوظ رکھتی ہے اور گناہوں پر ایک خط نسخ پھیر دیتی ہے۔

دوسرا فائدہ اس توبہ سے یہ ہے کہ اس توبہ میں ایک قوت و استحکام ہوتا ہے جو مامور من اللہ کے ہاتھ پر سچے دل سے کی جاتی ہے۔ انسان جب خود توبہ کرتا ہے تو وہ اکثر ٹوٹ جاتی ہے۔ بار بار توبہ کرتا ہے اور بار بار توڑتا ہے۔ مگر مامور من اللہ کے ہاتھ پر جو توبہ کی جاتی ہے جب وہ سچے دل سے کرے گا تو چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے موافق ہوگی وہ خدا خود اُسے قوت دے گا اور آسمان سے ایک طاقت ایسی دی جاوے گی جس سے وہ اُس پر قائم رہ سکے گا۔ اپنی توبہ اور مامور کے ہاتھ پر توبہ کرنے میں یہی فرق ہے کہ پہلی کمزور ہوتی ہے دوسری مستحکم۔ کیونکہ اس کے ساتھ مامور کی اپنی توجہ، کشش اور دُعائیں ہوتی ہیں جو توبہ کرنے والے کے عزم کو مضبوط کرتی ہیں اور آسمانی قوت اُسے پہنچاتی ہیں جس سے ایک پاک تبدیلی اُس کے اندر شروع ہو جاتی ہے اور نیکی کا بیج بویا جاتا ہے جو آخر ایک باردار درخت بن جاتا ہے۔

پس اگر صبر اور استقامت رکھو گے تو تھوڑے دنوں کے بعد دیکھو گے کہ تم پہلی حالت سے بہت آگے گذر گئے ہو۔

غرض اِس بیعت سے جو میرے ہاتھ پر کی جاتی ہے دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ گناہ بخشے جاتے ہیں اور انسان خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق مغفرت کا مستحق ہوتا ہے۔ دوسرے مامور کے سامنے توبہ کرنے سے

(باقی صفحہ 12 پر ملاحظہ فرمائیں)

منیر احمد حافظ آبادی ایم۔اے پرنٹر و پبلشر نے فضل عمر آفسیٹ پرنٹنگ پریس قادیان میں چھپوا کر دفتر اخبار بدر قادیان سے شائع کیا۔ پروپرائٹر نگران بدر بورڈ قادیان::

لا اله الا الله محمد رسول الله
ہفت روزہ بدر قادیان **اداریہ** 15 جولائی 1999ء

آنحضرت ﷺ سے سچا عشق

(۲)

گزشتہ گفتگو میں ہم عید میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے سرور کائنات حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر انبیاء پر فضیلت اور آپ کی لائی ہوئی تعلیم کی برتری اور آپ کے اُسوۂ حسنہ کی مثالیں پیش کر چکے ہیں ہم نے عرض کیا تھا کہ اس دور میں خدمت اسلام کیلئے ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ سے سچا عشق ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سچا عشق یہ ہے کہ آپ کی کامل فرمانبرداری اور اطاعت کی جائے۔

اس میں شک نہیں کہ چودہ سو سال میں ہزاروں اولیاء وابدال نے آنحضرت ﷺ سے سچا عشق کیا ہے۔ اور اس کی بدولت انہوں نے علیٰ حسب استعداد خدمت اسلام کا فریضہ بھی سرانجام دیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کامل عشق اور آپ کی اکمل متابعت بالکل اسی طرح حضرت امام مہدی علیہ السلام کے مقدر میں تھی جس طرح چودھویں کا چاند سورج کے مکمل عکس کو اپنے اندر پورے طور پر جذب کر لیتا ہے۔ اور امام مہدی و مسیح موعود کے منصب کا یہی تقاضا تھا کہ وہ عشق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں کامل ہوگا۔

اس مختصر تمہید کے بعد ہم ببانگ دہل عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اس دور میں سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے عشق نہیں کیا بلکہ گزشتہ چودہ سو سال میں بھی اکثر لوگوں میں اسکی نظیر تلاش کرنا مشکل ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق بچپن سے ہی آپ کی گھٹی میں گھول کر آپ کو چٹا دیا گیا تھا تو یہ مبالغہ نہ ہوگا۔ بچپن سے ہی آپ کا اکثر وقت درود شریف اور قرآن مجید کے مطالعہ میں گزرتا تھا اور مسجد میں بیٹھ کر نوافل اور قرآن پڑھنا گویا آپ کی جان کا حصہ تھے اس بناء پر آپ کے والد محترم آپ کو مسیتڑ کہہ دیا کرتے تھے۔

اوائل جوانی میں ہی آپ آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا کرتے تھے چنانچہ ۱۸۶۴ء تا ۱۸۶۵ء میں جب آپ کی عمر تیس اکتیس سال کی تھی آپ نے کشف میں آنحضرت ﷺ کو دیکھا جس میں آنحضرت ﷺ سے آپ کی شدید محبت وعشق پر روشنی پڑتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"اوائل جوانی میں ایک رات میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میں ایک عالیشان مکان میں ہوں جو نہایت پاک اور صاف ہے اور اس میں آنحضرت ﷺ کا ذکر اور چرچا ہو رہا ہے میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ حضور کہاں تشریف فرما ہیں انہوں نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا چنانچہ میں دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر اس کے اندر چلا گیا اور جب میں حضورؐ کی خدمت میں پہنچا تو حضورؐ بہت خوش ہوئے اور آپ نے بہتر طور پر میرے سلام کا جواب دیا آپ کا حسن و جمال اور ملاحت اور آپ کی پر شفقت و پر محبت نگاہ مجھے اب تک یاد ہے اور مجھے کبھی بھول نہیں سکتی آپ کی محبت نے مجھے فریفتہ کر لیا اور آپ کے حسین و جمیل چہرہ نے مجھے اپنا گرویدہ بنا لیا اس وقت آپ نے مجھے فرمایا اے احمد تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا چیز ہے جب میں نے اپنے دائیں ہاتھ کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ میرے ہاتھ میں ایک کتاب ہے اور وہ مجھے اپنی تصنیف معلوم ہوئی میں نے عرض کیا حضور! یہ میری ایک تصنیف ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اس کتاب کو دیکھ کر عربی زبان میں پوچھا کہ تو نے اس کتاب کا کیا نام رکھا ہے خاکسار نے عرض کیا کہ اس کتاب کا نام میں نے قطبی رکھا ہے۔۔۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کتاب مجھ سے لے لی اور جب وہ کتاب حضرت مقدس نبوی کے ہاتھ میں آئی تو آنجناب کے ہاتھ مبارک لگتے ہی ایک نہایت خوشرنگ اور خوبصورت میوہ بن گئی کہ جو امرود سے مشابہ تھا مگر بقدر تربوز تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میوہ کو تقسیم کرنے کیلئے جب قاش قاش کرنا چاہا تو اس قدر اس میں سے شہد نکلا کہ آنجناب کا ہاتھ مبارک مرفق تک شہد سے بھر گیا تب ایک مردہ جو دروازہ سے باہر پڑا تھا آنحضرت کے معجزہ سے زندہ ہو کر اس عاجز کے پیچھے آ کھڑا ہوا اور یہ عاجز آنحضرت کے سامنے کھڑا تھا جیسے ایک مستغیث حاکم کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور آنحضرت بڑے جاہ و جلال اور حاکمانہ شان سے ایک زبردست پہلوان کی طرح کرسی پر جلوس فرما رہے تھے۔

پھر خلاصہ کلام یہ کہ ایک۔ قاش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اس غرض سے دی کہ میں اس شخص کو دوں کہ جو نئے سرے سے زندہ ہوا اور باقی تمام قاشیں میرے دامن میں ڈال دیں اور وہ ایک قاش میں نے اس نئے زندہ کو دے دی اور اس نے وہیں کھا لی۔ پھر جب وہ نیا زندہ اپنی قاش کھا چکا تو میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کرسی اُونچی ہو گئی ہے حتی کہ چھت کے قریب جا پہنچی ہے اور میں نے دیکھا کہ اس وقت آپ کا چہرہ مبارک ایسا چمکنے لگا کہ گویا اس کے اندر سورج اور چاند کی شعاعیں پڑ رہی ہیں اور میں ذوق اور وجد کے ساتھ آپ کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھ رہا تھا اور میرے آنسو بہہ رہے تھے پھر میں بیدار ہو گیا اس وقت بھی میں کافی رو رہا تھا اور اللہ تعالیٰ نے میرے دل کے اندر ڈالا کہ وہ مردہ شخص اسلام ہے اور اللہ تعالیٰ اُسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فیوض کے ذریعہ سے اب میرے ہاتھ پر زندہ کرے گا۔ "اللھم صَلِّ علی محمد وعلیٰ اٰل محمد وبارك وسلم انک حمید مجید"۔ (ترجمہ: از آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۴۸-۵۴۹)

اس طرح ۱۸۸۲ء کا واقعہ ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

"ایک مرتبہ الہام ہوا کہ ملاء اعلیٰ کے لوگ خصومت میں ہیں یعنی ارادہ الٰہی احیاء دین کیلئے جوش میں ہے لیکن ہنوز ملاء اعلیٰ پر شخص محی کی تعیین نہیں ہوئی پھر فرماتے ہیں۔

اسی اثنا میں خواب میں دیکھا کہ لوگ ایک محی کو تلاش کرتے پھرتے ہیں اور ایک شخص اس عاجز کے سامنے آیا اور اشارہ سے اس نے کہا۔ " ھٰذا رَجُلٌ ۔ یُحبُّ رسول اللّٰہ یعنی یہ وہ آدمی ہے جو رسول اللہ سے محبت رکھتا ہے اور اس قول سے مطلب تھا کہ شرط اعظم اس عہدہ کی محبت رسولؐ ہے۔ سو وہ اس شخص میں متحقق ہے۔ (براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۵۰۳)

انہی دنوں میں آپ نے ایک اور خواب دیکھا فرماتے ہیں۔

"ایک رات میں لکھ رہا تھا کہ اس اثناء میں مجھے نیند آ گئی اور میں سو گیا اس وقت میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا آپ کا چہرہ بدر تام کی طرح درخشاں تھا آپ میرے قریب ہوئے اور میں نے ایسا محسوس کیا کہ آپ مجھ سے معانقہ کرنا چاہتے ہیں اور میں نے دیکھا کہ آپ کے چہرہ سے نور کی کرنیں نمودار ہوئیں اور میرے اندر داخل ہو گئیں میں ان انوار کو ظاہری روشنی کی طرح پاتا تھا اور یقینی طور پر سمجھتا تھا کہ میں انہیں محض روحانی آنکھوں سے ہی نہیں بلکہ ظاہری آنکھوں سے بھی دیکھ رہا ہوں اور اس معانقہ کے بعد نہ ہی میں نے یہ محسوس کیا کہ آپ مجھ سے الگ ہوئے ہیں اور نہ ہی یہ سمجھا کہ آپ تشریف لے گئے ہیں اس کے بعد مجھ پر الہام الٰہی کے دروازے کھول دئے گئے اور میرے رب نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔

یا احمد بارك الله فیک مارَمَیْتَ اذرمیت ولکن الله رَمیٰ الرحمن علم القرآن لتنذر قوماً ما انذر آباۤئھم وَلِتَسْتَبِینَ سبیل المجرمین قل انی امرت وانا اول المؤمنین۔

یعنی اے احمد اللہ نے تجھے برکت دی ہے پس جو وار تو نے دین کی خدمت کیلئے مخالفوں پر کیا ہے وہ تو نے نہیں کیا بلکہ اللہ نے کیا ہے خدا نے تجھے قرآن کریم کا علم عطا فرمایا ہے تاکہ تو ان لوگوں کو ہوشیار کرے جن کے باپ دادے ہوشیار نہیں کئے گئے تھے۔ اور تا مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے۔ لوگوں سے کہدے کہ مجھے خدا کی طرف سے مامور کیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے ایمان لایا ہوں۔

حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مذکورہ کشوف و الہامات سے واضح ہوتا ہے کہ

(۱) آپ کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

۲۔ اس وجہ سے آپ کو اکثر مرتبہ آنحضرت ﷺ کے محبت بھرے دیدار نصیب ہوئے۔

۳۔ اور چونکہ اس دور میں احیاء اسلام اور خدمت اسلام کیلئے عشق محمدی شرط اعظم تھی اس لئے اللہ نے آپ کو احیاء اسلام کا منصب جلیلہ عطا فرمایا اور امام مہدی و مسیح موعود کے منصب سے سرفراز فرمایا۔

آج کے اس دور میں بھی احمدی داعیان الی اللہ کے لئے لازمی ہے کہ اگر وہ دعوت الی اللہ اور خدمت اسلام کا فریضہ سرانجام دینا چاہتے ہیں تو مامور زمانہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سچا عشق کریں اس کیلئے لازمی ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے کے ساتھ آپ کے اُسوہ حسنہ پر دل و جان سے عمل پیرا ہوں۔

عشق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے نشے میں سرشار ہو کر سیدنا حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو پاکیزہ منثور و منظوم کلام اپنی لافانی کتب و ملفوظات میں تحریر فرمایا ہے اس کے کچھ نمونے انشاء اللہ ہم آئندہ اشاعت میں پیش کریں گے۔ (منیر احمد خادم)

درخواست دُعا

مکرم ذاکر خان صاحب بمیالوی صدر جماعت سہارنپور اپنے بیٹے عزیزم محمد شارق خان کی میٹرک کے امتحان میں نمایاں کامیابی کیلئے دُعا کی درخواست کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کو نمایاں کامیابی عطا فرمائے اور خادمِ دین بنائے نیز سہارنپور میں مخالفین کے شر سے محفوظ رہنے کیلئے اور جماعت کی ترقی کیلئے بھی دعا کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

شریف جیولرز
پروپرائیٹر حنیف احمد کامران۔ حاجی شریف احمد
اقصیٰ روڈ۔ ربوہ۔ پاکستان۔
دوکان: 0092-4524-212515
رہائش: 0092-4524-212300
روایتی زیورات جدید فیشن کے ساتھ

خطبہ جمعہ

جتنے بھی احمدیوں کو شہید کرنے والے ظالم لوگ ہیں ان کی خبر تو لے کے دیکھیں کہ حکومت کی پکڑ سے تو بچ گئے لیکن ان پر خدا کی کیسی پکڑ آئی

حضرت مصلح موعودؓ کے دور کے بعض شہداء احمدیت کا تذکرہ

خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ سیدنا امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز- فرمودہ ۳۰/اپریل ۱۹۹۹ء بمطابق ۳۰/شہادت ۱۳۷۸ ہجری شمسی بمقام مسجد فضل لندن

خطبہ جمعہ کا یہ متن ادارہ بدر اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے۔

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده و رسوله-

أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم- بسم الله الرحمٰن الرحيم -

الحمدلله رب العٰلمين - الرحمٰن الرحيم - مٰلك يوم الدين - إياك نعبد و إياك نستعين -

اهدنا الصراط المستقيم - صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين-

عزیزم غلام قادر کی شہادت کے تعلق میں جو سلسلہ خطبات شروع ہوا ہے ان سب کا عنوان یہی آیت ہے ﴿وَلَاتَقُوْلُوا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ. بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّاتَشْعُرُوْنَ﴾. (سورۃ البقرہ آیت ۱۵۵) کہ خدا کی راہ میں جو لوگ مارے جائیں ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم لوگوں کو شعور نہیں ہے۔ اس تسلسل میں آج کے خطبہ کا آغاز میں اپنی عزیز بھانجی نچھو کے خط کے تذکرے سے کرتا ہوں۔ انہوں نے جو تفصیلی خط لکھا ہے اس میں لکھتی ہیں کہ مجھے اس خیال سے بیحد خوشی ہوتی ہے کہ غلام قادر کی شہادت کی وجہ سے وہ سلسلہ شروع ہو گیا شہادتوں کے تذکرے کا جس میں حضرت سید الشہداء صاحبزادہ عبداللطیف کی شہادت سے شروع ہو کر پھر آخر دوسرے شہداء کا ذکر خیر جاری ہو گیا۔ وہ لکھتی ہیں کہ مجھے خوشی اس بات سے ہوتی ہے کہ میرا خاوند آغاز بن گیا ہے اس کا۔ اس کی شہادت کے ذکر سے یہ سارے پیارے پیارے ذکر چل پڑے اور بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس ذکر خیر پر اٹھنے والی دعاؤں میں اس کو بھی شریک رکھے اور غلام قادر کے درجات بھی اس ذکر خیر کی وجہ سے بڑھاتا رہے۔ تو یہ بہت ہی پیارا تبصرہ ہے اور اسی تعلق میں میں یہ سارے شہادتوں کے واقعات بیان کر رہا ہوں۔

اگرچہ اب تک مختلف ادوار کی شہادتوں کے متعلق ابھی تفصیلی اعداد و شمار جمع نہیں ہو سکے کیونکہ بہت سی ایسی شہادتیں بھی ہیں جن کا ذکر اس وقت محفوظ نہیں ہے یا نمایاں طور پر اس وقت جو حوالے پیش کئے ہیں ان کے سامنے نہیں آسکا۔ لیکن وہ رفتہ رفتہ کوشش کر رہے ہیں کہ کسی دَور کی کوئی بھی شہادت باقی نہ رہے جس کا ذکر ہماری تاریخ میں نہ ہو چکا ہو۔

آج میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کی شہادتوں کا ذکر **حضرت مولوی نعمت اللہ خان صاحب شہید افغانستان** کے ذکر سے کرتا ہوں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو لندن میں قیام کے دوران یہ دردناک اطلاع پہنچی کہ امیر امان اللہ خان شاہ افغانستان کے حکم سے کابل میں ایک احمدی مبلغ مولوی نعمت اللہ خان صاحب کو ۳۱/اگست کو چونتیس سال کی عمر میں محض احمدی ہونے کی وجہ سے سنگسار کر دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولوی نعمت اللہ خان صاحب ابن امان اللہ خان صاحب کابل کے قریبی گاؤں خوجہ تحصیل رخہ ضلع پنج شیر کے رہنے والے تھے اور افغانستان سے دینی تعلیم حاصل کرنے قادیان تشریف لائے تھے اور مدرسہ احمدیہ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ ۱۹۱۹ء میں دوران تعلیم ہی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں کابل کے احمدیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے روانہ کر دیا۔ آپ اپنے فرائض تندہی سے ادا کر رہے تھے کہ ۱۹۲۳ء کے آخر پر اطلاع ملی کہ دو احمدیوں کو افغانستان کی حکومت نے قید کر لیا ہے۔ اس اطلاع کے بعد شروع جولائی ۱۹۲۴ء میں مولوی نعمت اللہ صاحب کو حکام نے بلایا اور بیان لیا کہ کیا وہ احمدی ہیں؟ پہلے تو ان کو یہ صحیح بیان دینے پر کہ وہ احمدی ہیں رہا کر دیا گیا مگر پھر جلد ہی آپ کو جیل میں ڈال دیا گیا۔

یکم اگست ۱۹۲۴ء کو مولوی نعمت اللہ صاحب نے قید خانہ سے فضل کریم صاحب بھیروی مقیم کابل کو ایک مفصل خط لکھا۔ یہ ہم نہیں جانتے کہ کیسے جیل کی سخت نگرانی کے باوجود ان کو یہ خط لکھنے کی توفیق مل سکی اور وہ خط باہر بھجوانے کی توفیق مل سکی مگر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چھپا ہوا ہمدرد وہاں موجود تھا جس کے ذریعہ سے یہ کارروائی ہوئی کیونکہ وہ ان کے ہاتھ ہی کا خط لکھا ہوا ہے اس میں کوئی بھی شک نہیں۔ وہ اپنے خط میں جو فارسی میں ہے جس کا ترجمہ میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں لکھتے ہیں:

"یہ کمترین بندہ داعی اسلام تیس روز سے ایسے قید خانہ میں ہے جس کا دروازہ اور روشن دان بھی بند رہتے ہیں اور صرف ایک حصہ دروازہ کھلتا ہے۔ کسی سے بات کرنے کی ممانعت ہے۔ جب میں وضو وغیرہ کے لئے جاتا ہوں تو ساتھ پہرہ رہتا ہے۔ خادم کو قید میں آنے کے دن سے لے کر اس وقت تک چار کوٹھڑیوں میں تبدیل کیا جا چکا ہے لیکن جس قدر بھی زیادہ اندھیرا ہوتا ہے اسی قدر خداتعالیٰ کی طرف سے مجھے روشنی اور اطمینان قلب دیا جاتا ہے"۔

یہ شہداء کے دل کی داستان ہے جو سو فیصد درست ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی طرح اندھیرے کمروں میں بھی اس کا نور اترتا ہے اور مظلوموں کے دلوں کو روشن کر دیتا ہے۔ مولوی صاحب شہید نے مکرم فضل کریم صاحب کو لکھا۔ ایک اور خط میں لکھتے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح کے حضور یہ خط بھیج دیں۔ علاوہ ازیں بذریعہ تار یا خط میرے احمدی بھائیوں کو میرے حال سے اطلاع دیں تا وہ دعا کریں۔ دعا کیا کریں، کہ خدا تعالیٰ مجھے دین متین کی خدمت میں کامیاب کرے۔ میں ہر وقت قید خانہ میں خداتعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ الٰہی اس نالائق بندے کو دین کی خدمت میں کامیاب کر۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ مجھے قید خانہ سے رہائی بخشے اور قتل ہونے سے نجات دے بلکہ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ الٰہی اس بندۂ نالائق کے وجود کا ذرہ ذرہ اسلام پر قربان ہو"۔ (ترجمہ از اصل خط فارسی)

الغرض مولوی نعمت اللہ خان صاحب محکمہ شرعیہ ابتدائیہ میں پیش کئے گئے جس نے ۱۱/اگست ۱۹۲۴ء کو آپ کے ارتداد اور واجب القتل ہونے کا فتویٰ دیا۔ ۱۴/اگست کو آپ عدالت مرافعہ کابل کے سامنے پیش کئے گئے جس نے آپ کے دوبارہ بیانات لینے کے بعد فیصلہ کی توثیق کرتے ہوئے مزید حکم دیا کہ نعمت اللہ خان کو قتل کرنے کی بجائے ایک بڑے ہجوم کے سامنے سنگسار کیا جائے۔ اس فیصلہ کے مطابق تقریباً دو ماہ کی قید و بند کی مصیبتیں جھیلنے کے بعد ۳۱/اگست کو پولیس نے مولوی صاحب کو لے کر کابل کی تمام گلیوں میں پھرایا اور ہر جگہ منادی کی کہ یہ شخص آج ارتداد کی پاداش میں سنگسار کیا جائے گا لوگ اس موقع پر حاضر ہو کر اس میں شامل ہوں۔

دیکھنے والوں کی شہادت ہے کہ جس وقت آپ کو گلیوں میں پھرایا جا رہا تھا اور سنگساری کا اعلان کیا جا رہا تھا تو آپ گھبرانے کی بجائے مسکرا رہے تھے۔ گویا آپ کو موت کا فتویٰ نہیں دیا جا رہا تھا بلکہ عزت افزائی کی خبر سنائی جا رہی تھی۔ عصر کے وقت آپ کو کابل کی چھاؤنی کے میدان میں سنگسار کرنے کے لئے لایا گیا تو آپ نے اس آخری خواہش کا اظہار کیا جو صحابہ آنحضرت ﷺ کی سنت کی یاد دلانے والا ایک واقعہ ہے یا آپؐ کے غلاموں کی سنت کو یاد دلانے والا ایک واقعہ ہے۔ اس آخری خواہش کا اظہار کیا کہ اس دنیا کی زندگی ختم ہونے سے پہلے ان کو اپنے رب کی عبادت کرنے کا آخری موقع دیا جائے۔ حکام کی اجازت ملنے پر انہوں نے نماز پڑھی اور اس کے بعد کہا کہ اب میں تیار ہوں، جو چاہو کرو۔ آپ کو کمر تک زمین میں گاڑ دیا گیا اور پہلا پتھر کابل کے سب سے بدبخت عالم نے پھینکا۔ اس کے بعد چاروں طرف سے پتھروں کی بارش شروع ہو گئی یہاں تک کہ آپ پتھروں کے ڈھیر کے نیچے دب گئے اور خداتعالیٰ کے راستہ میں شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے آپ کی شہادت کا ذکر کرتے ہوئے جماعت کو جو نصیحت کی یہ آپ کا وہ پیغام ہے جب قادیان میں ان کی شہادت پر ایک اجلاس کیا گیا تو اس میں حضرت خلیفۃ المسیح

الثانیؓ کا یہ پیغام بھی تھا۔ غم کے اس وقت میں ہمیں اپنے فرض کو نہیں بھلانا چاہئے جو ہمارے اس مبارک بھائی کی طرف سے ہم پر عائد ہوتا ہے جس نے اپنی جان خدا کی راہ میں قربان کر دی ہے۔ اس نے اس کام کو شروع کیا ہے جسے ہمیں پورا کرنا ہے۔ آؤ ہم اس **لمحہ سے** یہ مصمم ارادہ کرلیں کہ ہم **اس** وقت **تک آرام نہیں کریں گے** جب تک **ہم ان** شہیدوں کی زمین کو فتح **نہیں کرلیں** گے۔ صاحبزادہ عبد**اللطیف** صاحبؓ، نعمت اللہ خان صاحب **اور عبد**الرحمٰن **صاحب** کی روحیں **آسمان** سے ہمیں ہمارے فرائض یاد دلا رہی ہیں اور میں یقین **کرتاہوں کہ احمدیہ** جماعت ان کو **نہیں** بھولے گی۔(ملخص از تاریخ احمدیت جلد پنجم ص ۴۴۷ تا ۴۵۹)۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ ان واقعات کو کبھی نہیں بھولی اور آج بھی شہادت کے لئے اسی طرح احمدی دل مچل رہے ہیں جس طرح پہلے مچلا کرتے تھے۔

اب دوسرا واقعہ بھی کابل ہی کی سرزمین کا واقعہ ہے۔ مولوی **عبدالحلیم** صاحب ساکن چراسہ اور **قاری نور** علی صاحب ساکن کابل کو ۵/فروری ۱۹۲۵ء کو شہید کیا گیا۔ ۵/فروری ۱۹۲۵ء کو امیر امان اللہ خان والیٔ افغانستان کے حکم سے آپ سنگسار کئے گئے۔ اس موقع پر اخبار ریاست دہلی نے بھی اپنے ۲۱/فروری ۱۹۲۵ء کے شمارہ میں لکھا "افغان گورنمنٹ کا یہ وحشیانہ فعل موجودہ زمانہ میں اس قدر قابل نفرت ہے کہ جس کے خلاف مہذب ممالک جتنا بھی صدائے احتجاج بلند کریں کم ہے۔ دنیا میں کسی شخص کا مذہبی عقائد کی صورت میں حکومت کی طرف سے ظلم کیا جانا اور بے رحمی کے ساتھ قتل کیا جانا باعث شہادت ہوا کرتا ہے اور بلاشبہ نعمت اللہ اور اس کے دو شجاع اور بہادر قادیان میں شہید کہلائے جانے کے مستحق ہیں جنہوں نے اپنے عقائد کے مقابلہ میں دنیاوی لالچ اور راحت و آرام کی پروانہ کی اور اپنے فانی جسم کو پتھروں، اینٹوں اور دوسری بے جان چیزوں کے حوالے کر دیا۔ ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما"۔ عالم کے صفحے پر ہماری ہمیشہ کی زندگی ایک ایسا نقش چھوڑ گئی ہے، جو ہمیشہ باقی رہے گا۔ "ہم جہاں افغان حکومت کے اس ظالمانہ فعل کے خلاف نفرت اور انتہائی حقارت کا اظہار کرتے ہیں وہاں ان شہداء کے خاندانوں اور قادیانی فرقہ کے تمام لوگوں کو مبارکباد دیتے ہیں کہ انہوں نے اپنے عقائد پر مضبوط رہ کر دنیا میں ظاہر کر دیا کہ ہندوستان اب بھی اپنے عقائد کے مقابلہ پر بڑی سے بڑی مصیبت کو لبیک کہنے کے لئے تیار ہیں"۔ تو آپ کی شہادت نے صرف کابل ہی کی سرزمین پر ایک ماضی کے بہترین اسوہ کو زندہ نہیں کیا بلکہ ہندوستان کی سرزمین بھی اس واقعہ پر فخر کرنے لگی۔

جب یہ خبر قادیان پہنچی تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس سلسلے میں منعقد ہونے والے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ آپ وہاں موجود تھے وہاں ایک اجلاس ہوا جس سے آپ نے خطاب کیا اور اس خطاب میں فرمایا۔ "مجھے جس وقت گورنمنٹ کابل کی اس ظالمانہ اور اخلاق سے بعید حرکت کی خبر ملی میں اسی وقت بیت الدعا میں گیا اور دعا کی کہ الٰہی تو ان پر رحم کر اور ان کو ہدایت دے اور ان کی آنکھیں کھول تا وہ صداقت اور راستی کو شناخت کر کے اسلامی اخلاق کو سیکھیں اور انسانیت سے گری ہوئی حرکات سے باز آجائیں۔ میرے دل میں بجائے جوش اور غضب کے بار بار اس امر کا خیال آتا تھا کہ ایسی حرکت ان کی حد درجہ بے وقوفی ہے۔

اس تقریر کے ذریعے **میں آئندہ** آنے والی **نسلوں کو نصیحت** کرتاہوں کہ وہ طاقت اور قوت کے زمانے **میں اخلاق کو ہاتھ** سے نہ دیں **کیونکہ اخلاق** اصل وہی **میں جو طاقت اور قوت کے وقت** ظاہر ہوں۔ ضعیفی اور ناتوانی کی حالت میں اخلاق اتنی قدر نہیں رکھتے جتنی کہ وہ اخلاق قدر رکھتے ہیں جبکہ انسان برسر حکومت ہو۔ اس لئے میں آئندہ آنے والی نسلوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ جب خدا تعالیٰ ان کو ہماری ان حقیر خدمات کے بدلے میں حکومت اور بادشاہت عطا کرے گا"۔ اور یہ ضرور ہوگا اٹل تقدیر ہے جو کسی قیمت بھی ٹالی نہیں جاسکتی۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ایسا ہوگا کہ جب حکومت اور بادشاہت عطا کرے گا تو یہ حکومت اور بادشاہت ان پرانوں کی قربانیوں کے نتیجہ میں عطا فرمائے گا۔ "تو وہ ان ظالموں کے ظلموں کی طرف توجہ نہ کریں۔ جس طرح ہم اب برداشت کر رہے ہیں وہ بھی برداشت سے کام لیں۔ طاقتور ہونے کے باوجود برداشت سے کام لیں اور اخلاق دکھانے میں ہم سے پیچھے نہ رہیں بلکہ ہم سے آگے بڑھیں"۔(الفضل قادیان ۱۹/فروری ۱۹۲۵ء)

اب میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے دور کی ایک اور شہادت کا ذکر کرتا ہوں جو **شیخ احمد فرقانی صاحب** کی شہادت ہے اور یہ عراق میں واقع ہوئی۔ ۱۶/جنوری ۱۹۳۵ء کو۔ ایک عرب نوجوان الحاج عبداللہ صاحب نے جو ایک نہایت مخلص احمدی ہیں اور ایک لمبا عرصہ قادیان میں دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آج کل اپنے وطن میں تبلیغ احمدیت میں مصروف ہیں۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا جو حال ہی میں پہنچا ہے۔ اس میں تحریر فرماتے ہیں۔ آج بغداد سے خط موصول ہوا ہے جس میں لکھا ہے کہ شیخ احمد فرقانی جو عرصہ دس سال سے احمدیت کی وجہ سے مخالفین کے ظلم و ستم برداشت کرتے چلے آرہے تھے جن کا لوگوں نے بائیکاٹ کر رکھا تھا، ان کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

وہ لواء کرکوک میں اپنے گاؤں میں رہتے تھے جو بغداد سے قریباً دو سو میل کے فاصلے پر ہے۔ جب میں بغداد میں تھا تو وہ کئی ہفتے میرے پاس آکر رہتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بے حد محبت اور اخلاص رکھتے تھے۔ آپ کے فارسی اور عربی اشعار سن کر وجد میں آجاتے تھے اور زار زار رونے لگ جاتے تھے۔ یہ خط ان کا الفضل قادیان دارلامان مورخہ ۱۴/فروری ۱۹۳۵ء کو شائع ہوا۔ حضرت احمد الفرقانی رحمہ اللہ نے "مصائب الانبياء والابرار على ايدى السفلة والاشرار" کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی تھی جو چھپ نہ سکی لیکن اس کتاب کا ایک قیمتی اقتباس مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری مرحوم نے اپنے رسالہ البشریٰ (ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق جولائی ۱۹۲۵ء صفحہ ۲۶، ۲۷) میں شائع کر دیا تھا۔ اگر کسی نے یہ خط دیکھنا ہو تو اس رسالہ سے دیکھا جاسکتا ہے۔

اب اس کے بعد جو شہادت کا نمبر آتا ہے وہ بھی افغانستان ہی کی شہادت ہے۔ **ولی داد خان صاحب افغانستان** ۔ تاریخ شہادت ۱۵/فروری ۱۹۳۹ء۔ ولی داد خان صاحب جو ایک لمبا عرصہ دارالامان میں تعلیم حاصل کرتے رہے پھر وہ اپنے آپ کو تحریک جدید کے سلسلہ میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر وقف کر کے حضور کے منشاء کے بموجب تخمیناً تین سال تک مجاہد تحریک جدید رہے۔ اس کے بعد وہ بخوشی علاقہ خوست یعنی اپنے گاؤں میں جو کہ برطانوی اور افغانی حکومت کی حد فاصل پہاڑ کی چوٹی پر واقع اور بالکل آزاد علاقہ ہے آگئے جہاں اپنے چچازاد بھائی خالیداد کی لڑکی سے نکاح کیا اور خدا تعالیٰ نے ایک لڑکا بھی دیا۔

اب ان ظالموں کا کلیجہ دیکھیں۔ کیسے پتھر دل انسان ہیں جو بدبختیوں سے آج تک باز نہیں آرہے۔ لڑکے کی عمر ابھی ڈیڑھ ماہ کی ہوئی تھی کہ ان کی بیوی کے بھائیوں نے اس ننھے معصوم بچے کو قتل کر دیا، ذبح کر دیا اس بچے کو۔ اور پھر غالباً چوتھے دن پندرہ فروری کو نہایت بے دردی اور بے رحمی سے تین گولیوں سے ہمارے بھائی کو قتل کر کے شہید کر دیا۔ تین دن تک مرحوم کو ان ظالموں نے بغیر دفن کئے رکھ چھوڑا اس کے بعد انہیں کہیں پھینک دیا۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اب خلافت ثانیہ کے دور کی ایک شہادت جو ۱۹۴۸ء میں ہوئی اس کا ذکر کرتا ہوں۔ **ڈاکٹر میجر محمود احمد صاحب شہید**، امرتسر کی مشہور احمدی قاضی فیملی کے چشم و چراغ قاضی محمد شریف صاحب ریٹائرڈ انجینئر لائلپور کے صاحبزادے اور قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔اے (کینٹب) کے بھتیجے تھے۔ قاضی محمد اسلم صاحب مرحوم کو ہندوستان میں عظیم الشان علمی خدمات کرنے کی توفیق ملی ہے اور ان کا نام پنجاب کی علمی تاریخ میں بالخصوص ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

ڈاکٹر صاحب بہت متدین نوجوان تھے۔ انہوں نے قادیان میں بھی درویشی کے ایام کاٹے ہیں اور وہاں اپنے آپ کو وقف کیا تھا۔ زمانہ درویشی کے ابتدائی ایام نہایت وفاشعاری سے قادیان میں گزارے اور گراں قدر طبی خدمات بجالاتے رہے۔ واقعہ شہادت منقول از تحقیقاتی عدالت۔ یہ تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ شائع ہوئی ہے اس میں سے یہ واقعہ لیا گیا ہے۔ جج لکھتے ہیں مرزا بشیر الدین محمود احمد ۱۹۴۸ء کے موسم گرما میں کوئٹہ میں مقیم تھے۔ ان کی موجودگی میں ایک نوجوان فوجی افسر میجر محمود جو احمدی تھا نہایت وحشیانہ طریقے سے قتل کر دیا گیا۔ ریلوے کے مسلم ملازمین کی ایسوسی ایشن نے ایک جلسہ عام کا اعلان کیا تھا جو ۱۱/اگست ۱۹۴۸ء کو منعقد ہوا۔ اس جلسے میں بعض مولویوں نے تقریریں کیں اور ہر شخص نے اپنی تقریر کے لئے ایک ہی موضوع یعنی ختم نبوت اختیار کیا۔ ان تقریروں کے دوران قادیانیوں کے کفر اور اس کے نتائج کی طرف بار بار اشارے کئے گئے۔

ابھی یہ جلسہ ہو رہا تھا کہ میجر محمود ایک مریض کو دیکھنے کے بعد واپس آتے ہوئے جلسہ گاہ کے پاس سے گزرے۔ اب یہ جو واقعہ ہوا ہے یہ بظاہر ایک حادثہ ہے مگر بلاشبہ یہ مشیت ایزدی تھی کہ عین جلسے کے سامنے پہنچ کر ان کی موٹر کار ٹھہر گئی اور اس کو دوبارہ چلانے کی ہر کوشش ناکام ہو گئی۔ عین اس موقع پر ایک ہجوم موٹر کار کی طرف بڑھا اور اس نے میجر محمود کو گھسیٹ کر نیچے اتار لیا۔ میجر محمود نے بھاگ کر جان چھڑانے کی کوشش کی لیکن ان کا تعاقب کیا گیا۔

اب دیکھیں شہادت کے وقت یہ بھاگنے کا کیا مطلب ہے۔ ایک کابل کا شہزادہ ہے جو شہادت کی طرف بھاگ رہا ہے اور کچھ دوسرے ہیں جو شہادت سے بھاگ رہے ہیں۔ یہ کیوں ہے!؟۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جماعت احمدیہ کو بار بار یہ سمجھایا جاچکا ہے اور سمجھایا جاتا رہے گا کہ اپنی شہادت کے وقت جوابی کارروائی نہ کریں کیونکہ اس کے نتیجہ میں پھر اور بھی اشتعال پھیلتا ہے اور بہت سے معصوم مارے جاتے ہیں۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ میجر صاحب شہید مجبور تھے کہ ان لوگوں کے چنگل سے نکلیں اور ان کی جوابی کارروائی سے کسی شخص کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے جس کو بہانہ بنا کر پھر سارے پاکستان میں اشتعال انگیزی کی جاسکتی تھی۔ تو بعض باتیں سمجھانی پڑتی ہیں ورنہ تو عجیب لگتا ہے کہ ایک احمدی شہادت سے جہاں تک ممکن ہو بھاگنے کی کوشش کر رہا ہے۔

چنانچہ آخر پتھر اور چھرے مار مار کر ان کو ہلاک کر دیا گیا۔ ان کی پوری انتڑیاں پیٹ سے باہر نکل آئیں۔ ان کی نعش کے پوسٹ مارٹم معائنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے جسم پر کند اور تیز دھار والے ہتھیاروں سے لگائے گئے چھبیس (۲۶) زخم تھے اور موت ایک تو صدمے سے دوسرے

داخلی جریان خون یعنی خون اندر بہت بہہ جانے کی وجہ سے واقعہ ہوئی جو بائیں پھیپھڑے، بائیں گردے اور جگر کے دائیں کنارے کے زخموں سے جاری ہوا تھا۔ عدالت لکھتی ہے کوئی شخص بھی اسلامی شجاعت کے اس کارنامے کی نیک نامی لینے پر آمادہ نہ ہوا اور بے شمار عینی شاہدوں میں ایک بھی ایسا نہ نکلا جو ان غازیوں کی نشاندہی کر سکتا یا کرنے کا خواہشمند ہوتا جن سے یہ "بہادرانہ" فعل صادر ہوا۔ لہذا اصل مجرم شناخت نہ کئے جاسکے اور مقدمہ بے سراغ ہی داخل دفتر کر دیا گیا۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ردعمل۔ آپ نے ۲۱؍ ظہور / اگست ۱۹۴۸ء کو خطبہ جمعہ میں ان الفاظ میں اس شہادت پر تبصرہ کیا۔ "میجر محمود احمد صاحب کی شہادت کا ردعمل لوگوں کے اپنے اپنے نظریہ کے مطابق ہوا ہو گا"۔ اب یہ بھی حضرت مصلح موعود کا انصاف ہے کہ سب کو ملزم نہیں کر رہے بلکہ جانتے ہیں کہ بہت سے شریف لوگ وہاں موجود ہونگے جنہوں نے اس بات کو ناپسند کیا ہو گا مگر چونکہ شرافت آج کل بزدل اور گونگی ہو چکی ہے اس لئے ہمیں ان کا علم نہیں ہو سکتا۔ فرماتے ہیں اپنے اپنے نظریہ کے مطابق ہو گا۔ "بعض کا برا اور غیر اسلامی ردعمل ہو گا اور بعض کے نزدیک اس کا ردعمل اچھا ہوا ہو گا"۔ لیکن ایک ردعمل تو بہر حال ایسا ہوتا ہے جو دیر تک چلتا رہتا ہے اور جس کے نتیجہ میں لوگوں کو حق قبول کرنے کی توفیق بھی ملتی رہتی ہے۔

فرماتے ہیں "یہ حملہ جو میجر محمود پر کیا گیا ہے، ہے تو اتفاقی حادثہ در حقیقت یہ حملہ احمدیت پر کیا گیا ہے۔ میجر محمود تو وہاں اتفاقاً چلے گئے اگر کوئی اور احمدی ہوتا تو اس کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آتا کیونکہ میجر محمود پر کسی ذاتی عناد کی وجہ سے حملہ نہیں کیا گیا بلکہ ان کے احمدی ہونے کی وجہ سے ایسا ہوا ہے...... اس واقعہ سے **ہمارے اندر جو ردعمل ہونا چاہئے وہ یہ ہے کہ ہم پہلے سے بھی زیادہ انہماک اور تندہی سے تبلیغ کی طرف متوجہ ہوں۔ ماموریں کی جماعتوں پر ظلم ہوتے ہیں اور وہ ظلموں کے نیچے بڑھتی اور پھولتی ہیں۔** دشمنوں میں بھی شریف الطبع انسان ہوتے ہیں ان کے اندر ظلموں کو دیکھ کر دلیری پیدا ہو جاتی ہے اور سلسلے میں داخل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ میجر محمود کی شہادت کے بعد ایک دوست آئے۔ ان کے دل میں احمدیت کی سچائی گھر کر گئی۔ پہلے بھی وہ سچائی کے قائل تھے لیکن ایمانی جرأت پیدا نہ ہوئی تھی۔ اس واقعہ نے ان کے اندر ایمانی جرأت پیدا کر دی اور وہ یہ کہتے ہوئے کہ میجر محمود احمد صاحب کی خالی جگہ اور اس کمی کو پورا کرنے کے لئے احمدیت میں داخل ہوتا ہوں، احمدیت میں داخل ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے زمانے میں بھی حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے واقعات اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ وہ ظلموں سے متاثر ہو کر ایمان کی روشنی سے منور ہوئے تھے۔ تو اس قسم کے ظلم و تشدد کے واقعات جماعت کی ترقی کا باعث ہوتے ہیں۔ اس لئے ہمیں زیادہ سے زیادہ وقت تبلیغ پر صرف کرنا چاہئے تا صحیح عقائد ان پر واضح ہو جائیں اور احمدیت کی سچائی کھل جائے"۔

اب **ماسٹر غلام محمد صاحب** کی شہادت کا ذکر کرتا ہوں جو یکم اکتوبر ۱۹۵۰ء کو ہوئی۔ یہ صوبہ سرحد کے یا غیر ملکوں کے نہیں پاکستان میں ہونے والے واقعات ہیں۔ میجر محمود کا واقعہ بھی پاکستان ہی میں ہوا ہے۔ اب پاکستان کے واقعات میں یہ دوسرا واقعہ ہے۔ یکم اکتوبر ۱۹۵۰ء کو ایک احمدی مولوی نور دین سات دوسرے احمدیوں کے ساتھ تبلیغی مہم پر چک نمبر ۵ میں گیا۔ یہاں کے غیر احمدیوں نے ان مبلغوں کو گھیر لیا۔ پھر ان پر کیچڑ پھینکی اور ان کے چہروں پر کالک ملی اور گندے پانی میں سے انہیں ہنکا کر ریلوے سٹیشن اوکاڑہ تک پہنچایا۔ پولیس میں اس واقعہ کی رپورٹ لکھوائی گئی جس پر ایک شخص مولوی فضل الٰہی زیر دفعہ ۱۴۷، ۳۴۲ زیر حراست لے لیا گیا۔ دشمن یہ بہانہ ڈھونڈتے ہیں کہ ہمارے کسی مولوی کو پکڑیں یا کوئی جوابی کارروائی کریں تو اس کے نتیجہ میں ہم سارے ملک ایک آگ لگا سکیں۔

اس گرفتاری کے خلاف احتجاج کے طور پر اوکاڑہ میں دکانیں بند ہو گئیں اور تین اکتوبر کی رات کو ایک جلسہ عام ہوا جس میں ہزاروں اشخاص شامل ہوئے۔ بہت سے مقررین نے تقریریں کیں جو بے انتہا اشتعال انگیز تھیں۔ ایک مقرر نے جلسہ کے نوجوان حاضرین سے اپیل کی کہ مرزائی فتنے سے قوم کو نجات دلاؤ اور بہت سے واقعات بیان کئے، علم دین شہید کے اور دوسرے واقعات۔ یہ ایک لمبی تفصیل ہے جس میں جانے کی ضرورت نہیں۔ یہ تقریریں کے بعد محمد اشرف نے جو تقریریں سن چکا تھا ایک چھرے سے مسلح ہو کر غلام محمد کا تعاقب کیا جبکہ وہ اوکاڑہ جا رہا تھا۔ محمد اشرف نے غلام محمد کو ایک نہر کے قریب جالیا اور اس کے چھرا گھونپ دیا۔ غلام محمد کا زخم کاری تھا چنانچہ وہ تھانے کو لے جانے سے پہلے ہی مر گیا۔ محمد اشرف ایک مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کیا گیا جہاں اس نے یہ بیان دیا۔ تفصیل اس کے منہ سے سنئے۔ پہلے یہ کہا کہ ستمبر میں پھر کہا کہ اکتوبر کی تیسری تاریخ کو اوکاڑہ میں ایک جلسہ ہوا جس میں رضوان، بشیر احمد، مولوی ضیاء الدین، قاضی عبدالرحمٰن، چوہدری محبوب عالم اور صدر جلسہ نے جو غالباً قاضی تھے پر جوش تقریریں کیں جن میں بتایا کہ مرزائی نبی کریم ﷺ کو گالیاں دیتے ہیں۔ ہم حضور کی عظمت کے لئے اپنی جانیں دے دیں گے۔ تقریر میں یہ کہا گیا کہ جو لوگ ان کو پہچان کر نابود کرنے پر آمادہ ہیں وہ اپنے ہاتھ اٹھائیں۔ جلسے میں علم دین غازی کا بھی ذکر کیا گیا اور اس کی سرگزشت سنائی گئی..........."۔ یہ ساری تحریر میں نے اپنے قلم سے کاٹی ہوئی تھی وہ پرائیویٹ سیکرٹری نے غلطی سے لکھ دی ہے تو اصل حصہ ان کے قتل کے واقعہ کا میں اس شخص کے الفاظ میں بیان کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے:

"میں سائیکل پر چک نمبر ۴۸ گیا جہاں ماسٹر تفریحی چھٹی پر اپنے گھر گیا ہوا تھا۔ میں چک میں ٹھہرا رہا تا وقتیکہ وہ سکول میں آ گیا۔ گاؤں کے چوک کی ایک دکان پر میں نے ایک سگریٹ پیا۔ جب میں باہر نکلا ماسٹر سکول میں نہ تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ماسٹر مرزائی ہے اور میں اسی نیت سے آیا تھا۔ چک میں میں نے ایک سید سے پوچھا کہ آیا حضور نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ہمارے بچوں کو پڑھانے پر کوئی کافر مقرر تھا۔ اس ماسٹر کا کیا حق ہے کہ وہ ہمارے چک میں مقیم ہے، زمین الاٹ کرا رکھی ہے اور بچوں کو پڑھا رہا ہے۔ اس کے بعد میں نے ایک لڑکے سے پوچھا کہ ماسٹر کہاں گیا ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ چک R۳ / ۴۰ کو گیا ہے۔ میں نے پوچھا سائیکل پر یا پیدل جواب ملا سائیکل پر۔ میرے پاس اس وقت ایک چھرا تھا میں نے اس کو دو میل کے فاصلے پر جالیا اور وہاں میں نے اپنے سائیکل سے اتر کر اس کے سائیکل کو دھکا دیا اور اسے گرا لیا۔ میں نے ماسٹر کو چھرے سے ایک ضرب لگائی اور وہ بھاگ کر چھوٹی نہر کے پانی میں گھس گیا۔ چھرا ٹھیک نہ رہا۔ میں نے اسے درست کیا اور پھر پانی میں اور ضربیں لگائیں۔ میں اس کو مار رہا تھا کہ ادھر ادھر سے کچھ لوگ جمع ہو گئے اور انہوں نے مجھے روکا۔ میں نے ان سے کہا مجھے نہ روکو میں ایک کافر کو قتل کر رہا ہوں اور ایک اجنبی شخص نے مجھ سے سوالات کئے۔ میں نے اس کو بھی یہی بتایا کہ میں نے ایک کافر کو ہلاک کر دیا ہے۔ پھر میں اوکاڑہ چلا آیا۔ اوکاڑہ آکر کسی نے اس سے کوئی باز پرس نہیں کی۔

جتنے بھی احمدیوں کے قاتل ہیں ان کے خلاف قانون مجرم ہے۔ کسی انگریز مفکر نے بہت اچھی بات لکھی تھی کہ **دنیا میں سب سے زیادہ بھیانک مظالم اس ملک میں توڑے جاتے ہیں جہاں قانون مجرم ہو چکا ہو۔** اگر قانون مجرموں کی پشت پناہی کرتا ہے تو وہاں سب سے زیادہ بھیانک مظالم معصوموں پر توڑے جاتے ہیں۔ یہ فقرہ بعینہٖ پاکستان پر چسپاں ہوتا ہے۔

اب میں **چوہدری بدردین صاحب آف راولپنڈی** کی شہادت کا ذکر کرتا ہوں جو ۱۰؍ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو ہوئی۔ ماسٹر غلام محمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دردناک شہادت کا زخم بالکل تازہ ہی تھا کہ صرف چند روز بعد جماعت احمدیہ راولپنڈی کے ایک سادہ مزاج اور خاموش طبع بزرگ اور صحابی چوہدری بدردین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ لدھیانوی گولی مار کر شہید کر دیے گئے۔ چوہدری صاحب موصوف ۱۸۹۰ء میں پیدا ہوئے تھے۔ ابتدائی تعلیم قادیان میں پائی۔ انہوں نے ۱۸۹۹ء کے لگ بھگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی۔ عرصہ دراز تک جماعت احمدیہ لدھیانہ کے سیکرٹری مال اور سیکرٹری امور عامہ رہے۔ فسادات ۱۹۴۷ء میں آپ گوالمنڈی راولپنڈی میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔

راولپنڈی میں احرار کانفرنسوں نے سخت اشتعال پھیلا دیا اور ۱۰؍ اکتوبر ۱۹۵۰ء ساڑھے چھ بجے شام گوالمنڈی کے باغیچہ میں آرہے تھے کہ فائر بریگیڈ کے پاس ایک شخص ولایت خان نے ان پر پیچھے سے فائر کیا اور گولی ان کی پشت کو چیرتی ہوئی پیٹ کی طرف سے نکل گئی۔ اتفاق سے اس وقت ایک سب انسپکٹر پولیس نے جو کسی کام کے تعلق میں باہر سے راولپنڈی آئے ہوئے تھے قاتل کو گولی چلاتے دیکھ لیا اور اسے موقع پر ہی گرفتار کر کے اس کا پستول چھین لیا اور جیسا کہ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء کے فاضل ججوں نے اپنی رپورٹ میں ذکر کیا ہے عینی شاہدوں میں سے ایک نے جس پر سیشن جج اور ہائی کورٹ دونوں نے اعتبار کیا ہے یہ بتایا کہ مجرم کو عین موقع پر گرفتار کیا گیا تو اس نے خود یہ اقرار کیا کہ میں نے بدردین کو اس لئے ہلاک کیا ہے کہ وہ احمدی ہے۔ اور اس کا کچھ نہیں بنا۔

چوہدری بدردین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ گولی لگنے سے گر پڑے۔ ان کے ایک داماد ڈاکٹر میر محمد صاحب قریشی نے آپ کو ایمبولینس کار کے ذریعے سول ہسپتال پہنچایا مگر آپ جانبر نہ ہو سکے اور اگلے دن گیارہ بجے کے قریب ساٹھ سال کی عمر میں آپ کو شہادت کے ذریعے عمر جاودانی نصیب ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بے ہوشی کے عالم میں بھی آپ کی زبان پر مسنونہ دعائیں اور کلمہ طیبہ جاری رہا۔ آپ اپنے خاندان میں اکیلے احمدی تھے مگر آپ نے اپنے پیچھے چونتیس افراد کا کنبہ بطور یادگار چھوڑا ہے۔

اب صوبہ سرحد میں ہونے والی ایک شہادت کا ذکر کرتا ہوں یہ کیونکہ ایسے ضلع کی شہادت ہے جو کبھی سرحد میں بھی شمار ہوتا ہے، کبھی پنجاب میں بھی شمار ہوتا ہے یعنی ضلع ہزارہ تحصیل مانسہرہ، **مولوی عبدالغفور صاحب**۔ آپ دس برس کی عمر میں قادیان پہنچے اور ۱۹۰۶ء میں حضرت مہدی معہود علیہ السلام کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ آپ کو قادیان کی پیاری اور پُر انوار برکت سے اس قدر محبت اور عقیدت ہو گئی کہ اپنے بڑے بھائی حکیم نظام جان صاحب رضی اللہ عنہ کو بھی آنے کی ترغیب دی جس پر حکیم صاحب مستقل ہجرت کر کے قادیان ہی کے ہو گئے۔ آپ کا معمول تھا کہ روزانہ اذان سے پہلے اٹھتے اور اپنے ملازم کو ہمراہ لے کر دریا سے پار چکیوں پر چلے جاتے تھے۔ نماز فجر وہیں ادا کرتے اور اسی عرصہ میں ان کا سات سالہ بچہ عبداللطیف چائے لے کر وہاں پہنچ جاتا۔ دونوں

ناشتہ کرتے اور زمین کی دیکھ بھال کے بعد اپنے گاؤں لوٹ آتے۔

۲۱/ستمبر کو بوقت صبح آٹھ بجے آپ اپنے بچے عبداللطیف کو لے کر اپنے گھر سے پن چکیوں کی نگہداشت کے لئے نکلے۔ آپ چار فرلانگ تک گئے تھے کہ ایک کمین گاہ سے آپ پر بندوق کا فائر کیا گیا۔ اس کے بعد **آپ کو اور آپ کے بچے کو** کلہاڑی سے شہید کر دیا گیا۔ ظالم قاتل بھاگ گئے اور بے گور و کفن لاش کی نگرانی آپ کا گھریلو کتا کرتا رہا جو کبھی آپ کی نعش کی طرف جاتا اور کبھی ان کے بچے کی نعش کی طرف جاتا تھا۔ پس دیکھو کتے کو بھی خدا تعالیٰ نے ان بدبختوں پر یہ فضیلت بخشی ہے۔ وہ شہید کی نعشوں کی نگرانی کر رہا تھا اور ظالم اس سے بے پرواہ ہو کر اپنی خباثتوں میں مصروف ہو چکے تھے۔ مولوی عبدالغفور صاحب نے اپنے پیچھے ایک بیوہ، تین لڑکے اور تین لڑکیاں یادگار چھوڑیں۔ **اب ان سب کے خاندان گواہ ہونگے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کتنے فضل نازل فرمائے ہیں۔ دنیا تو ان واقعات کو بھول سکتی ہے مگر خدا کبھی نہیں بھولتا اور اپنے بے شمار انوار کے ذریعے ان کی اولاد در اولاد پر ثابت کرتا چلا جاتا ہے کہ تم جو کچھ دنیا میں پا رہے ہو اور جو آخرت میں پاؤگے وہ تمہارے بزرگ شہداء کی برکت ہے۔**

اب یہ واقعہ۔ شہادت ۱۹۵۶ء کی **محترم داؤد جان شہید صاحب** کی ہے، یہ بھی صوبہ سرحد کے ہیں اور وہیں شہید کئے گئے۔ ۲۳/مارچ ۱۹۵۶ء کو خطبہ ثانیہ کے بعد حضرت مصلح موعودؓ نے نماز ہائے جنازہ کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا، "چوتھا جنازہ جو بہت تکلیف دہ ہے کابل کے ایک احمدی دوست داؤد جان صاحب کا ہے۔ یہ مخلص دوست جلسہ پر ربوہ آئے ہوئے تھے۔ واپس گئے تو بعض لوگوں نے ان کی شکایت حکام کے پاس کر دی۔ انہوں نے بلا کر دریافت کیا کہ تم ربوہ گئے تھے؟۔ انہوں نے کہا ہاں میں ربوہ گیا تھا۔ اس پر انہیں قید کر دیا گیا مگر ان کی قوم کی اس سے تسلی نہ ہوئی۔ چنانچہ ایک بہت بڑے ہجوم نے قید خانے پر حملہ کر دیا ان کے دروازے اور کھڑکیاں توڑ دیں اور پھر انہیں نکال کر باہر لے گئے اور کھلے میدان میں انہیں کھڑا کر کے شہید کر دیا۔

ان کی شہادت پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "مرنا تو سب نے ہے لیکن اس قسم کی موت بہت دکھ اور تکلیف کا موجب ہوتی ہے اور مارنے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مستحق بناتی ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا کہ تو اپنے بھائی کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک صحابی نے پوچھا یا رسول اللہ مظلوم کی مدد تو سمجھ میں آگئی ہے لیکن ظالم کی مدد کیسے کی جائے۔ آپ نے فرمایا ظالم کو ظلم سے روکو یہی اس کی مدد ہے۔ پس تم دعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کی حفاظت فرمائے اور جن لوگوں نے غلطی کی ہے انہیں بھی ہدایت دے تا بجائے اس کے کہ وہ احمدیوں کے خلاف تلوار اٹھائیں ان کے دل احمدیت کے نور سے منور ہو جائیں اور انہیں نیکی کی راہوں پر چلنے کی توفیق نصیب ہو"۔ (روزنامہ الفضل ۱۳/اپریل ۱۹۵۷ء)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطبہ فرمودہ ۳۰/مارچ ۱۹۵۶ء مطبوعہ الفضل سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں کھلے میدان میں کھڑا کر کے گولی مار کر شہید کر دیا گیا تھا۔

اب حضرت مصلح موعودؓ کے دور میں ہونے والی بے شمار شہادتوں میں سے میں اب ایک آخری شہادت کا تذکرہ کرتا ہوں۔ شہید مرحوم **ڈاکٹر محمد احمد خان صاحب ابن خان میر خان صاحب افغان** تھے۔ یہ خان میر خان حضرت مصلح موعودؓ کے ایک جانثار محافظ تھے اور ایسا کام کرتے تھے صرف حفاظت کا ہی نہیں بلکہ سامان وغیرہ بھی خود اٹھا اٹھا کر گاڑیوں میں رکھنا اور بچوں کی بھی حفاظت کرنا، ان کی بھی دلداری کرنی۔ غرضیکہ حضرت مصلح موعودؓ کے پہرہ داروں میں سے خان میر ایک بے مثل پہریدار تھے۔

مریم سلطانہ جو ڈاکٹر محمد احمد خان صاحب، آپ کے بیٹے کی بیگم اور آپ کی بہو تھیں وہ بیان کرتی ہیں کہ میں اپنے خاوند اور بچوں کے ساتھ ضلع کوہاٹ کے علاقہ ٹل میں مقیم تھی۔ اس علاقے میں کوئی احمدی گھرانہ نہ تھا۔ ۱۹۵۶ء میں وہاں مخالفت کی آگ بہت بھڑکی۔ ۲۹/جون ۱۹۵۶ء کو مخالفین میرے خاوند کو دھوکہ دے کر ایک مریض کے علاج کے لئے پانچ چھ میل دور علاقہ غیر میں لے گئے۔ یہ سراسر جھوٹ بول کر لے جانے والا گاؤں کا ایک ملاں تھا۔ اس نے انسانی ہمدردی کے نام پر ان سے اپیل کی کہ سات میل دور تمہیں جانا پڑے گا مگر ایک مریض ہے اور اس کی خاطر اگر تمہارے دل میں سچی ہمدردی ہے انسانیت کی تو وہاں پہنچو اور اس کا علاج کرو لیکن جونہی یہ بدبخت گاؤں پہنچا اس نے نہایت غضبناک آواز میں اعلان کیا کہ یہ قادیانی ڈاکٹر ہے میں اسے نہیں چھوڑوں گا جب تک اسے گولی نہ ماروں اور وہیں گولی مار کر شہید کر دیا۔

مریم سلطانہ کو شہادت کی خبر ملی تو ارد گرد کوئی بھی ان کا ہمدرد نہ تھا۔ سب مخالف تھے۔ لیکن بڑی بہادر خاتون تھیں۔ یہ ہمت کر کے، بچوں کو خدا کے سپرد کر کے اپنے میاں کی نعش لینے کے لئے نکل کھڑی ہوئیں۔ جس قسم کے حالات تھے نعش کا ملنا ممکن نظر نہیں آتا تھا لیکن آپ لاش کی تلاش میں سرگرداں پھرتی رہیں۔ کہتی ہیں کہ میں لاش تلاش کرتی پھرتی تھی اور شہر کے لوگ میرے شوہر کے قتل پر خوشیاں منا رہے تھے۔ میں نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ پھر کوئی میرے غم میں شریک نہ تھا۔ آخر انہوں نے یعنی مریم نے آخر لاش حاصل کر ہی لی اور ٹرک کا انتظام بھی خود ہی کیا۔ بڑی بہادر خاتون تھیں، خود اکیلے ہی یہ سارے کام کئے۔ ٹرک کا انتظام کر کے اس میں لاش رکھ کر چاروں بچوں کو ہمراہ لے کر ربوہ روانہ ہو گئیں۔

کہتی ہیں میں آہوں اور سسکیوں میں زیر لب دعائیں کرتی رہی اور ان کے شوہر کی دکان بھی لوٹ لی گئی۔ قاتل وہاں دندناتا پھرتا تھا لیکن کوئی اسے پکڑنے والا نہ تھا لیکن خدا کی پکڑ سخت ہوتی ہے۔ اب یہ وہ آخری بات ہے جس سلسلے میں میں جماعت کو نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ **جتنے بھی احمدیوں کو شہید کرنے والے ظالم لوگ ہیں ان کی خبر تو لے کر دیکھیں کہ حکومت کی پکڑ سے تو وہ بچ گئے لیکن ان پر خدا کی کیسی پکڑ آئی۔** میں جب وقف جدید میں تھا تو مجھے یہ شوق تھا، میں جستجو کیا کرتا تھا تو ایک خاندان کے متعلق جس نے بہت ظالمانہ طریق پر ایک احمدی کو مارا تھا اس کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ سارا خاندان ایک حادثہ میں بس میں جل گیا اور تمام کے تمام جل کے مر گئے۔ پس اس پہلو سے بھی مجھے شوق تھا کچھ مواد میں نے وہاں اکٹھا کروایا تھا وہ اللہ بہتر جانتا ہے کہاں گیا۔ لیکن **احمدی محققین کو یا جن جن علاقوں میں یہ لوگ بستے ہیں جو قتل کرنے کے بعد دندناتے پھرتے تھے ان کے علاقے کے احمدیوں کو چاہئے کہ ان کے حالات جمع کریں اور دیکھیں کہ خدا کی تقدیر نے ان کو کیسے پکڑا۔**

اب ان کے بیان کے مطابق میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔ یہ شخص جو دندناتا پھرتا تھا یہ پاگل ہو گیا اور دیوانگی کی حالت میں گلیوں میں نیم برہنہ پھرتا رہا اور کچھ عرصہ نظر آنے کے بعد کہیں ہمیشہ کے لئے گم ہو گیا۔ وہ ملاں جو مریض دکھانے کے بہانے ڈاکٹر کو بلانے آیا تھا وہ بھی اپنے بھائی کے ہاتھوں بیوی بچوں سمیت قتل ہو گیا۔ تو اللہ کی پکڑ ڈھیل تو دکھاتی ہے مگر بہت سخت ہوا کرتی ہے۔ مگر ہمارے ارباب حل وعقد کو تو خدا کی پرواہ کوئی نہیں۔ یہ تو تاریخ ان کو بتائے گی کہ یہ کہاں جا رہے ہیں اور کس گڑھے میں کود رہے ہیں اور سارے ملک کو اپنے ساتھ جہنم میں داخل کر رہے ہیں۔ آج کل جو وہاں حال گزر رہا ہے، گلی گلی ظلم کا شکار بن چکی ہے، اتنے بھیانک مظالم ہو رہے ہیں کہ انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ **مَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ وَ سَحَّقْنٰهُمْ تَسْحِيْقًا کی تقدیر ہے جو پاکستان میں چلتی دکھائی دے رہی ہے۔ مَزَّقْنٰهُمْ کی چکی کے نیچے یہ سارے پیسے جا رہے ہیں اور کسی کو پتہ نہیں کہ ابھی مرنے کے بعد ایک اور چکی میں بھی پیسے جائیں گے جس کا پیسا جانا ہمیشہ کے لئے یا اتنے لمبے عرصہ کے لئے ہے جسے ہمیشگی کہا جا سکتا ہے۔** اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو ہدایت عطا فرمائے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

ESTD:1898
MFRS OF ARMY INDUSTRIAL AND CIVILIAN FANCY SHOES
M. MOOSA RAZA SAHIB & SONS
NO 6 ALBERT VICTOR ROAD FORT
BANGALORE - 560002 INDIA
☎: 6700558 FAX: 6705494

STAR
☎ 543105
CHAPPALS
WHOLE SELLERS OF HIGH QUALITY LEATHER & RUBBER CHAPPALS
105/661, OPP, BLOCK NO-7 FAHIMMABAD COLONY
KANPUR-1- PIN 208001

GUARANTEED PRODUCT
NEVER BEFORE
THIS COMFORT THIS DURABILITY AND SOLIGHT
A TREAT FOR YOUR FEET
Soniky
HAWAI
NIR
NEW INDIA RUBBER WORKS (P) Ltd
34,A DEBENDRA CHANDRA DEY ROAD CALCUTTA-15

مقامِ خاتم النبیین ﷺ

صحیفۂ شمعون کی ایک پیشگوئی کی روشنی میں

(سید عبدالحئی شاہد۔ ایم۔ اے)

(دوسری قسط)

اہلِ نجران کا وفد

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے آنحضرت ﷺ نے بادشاہوں اور قبائل کو خطوط لکھ کر اسلام کی دعوت دی۔ چنانچہ ایک خط اہلِ نجران کی طرف بھیجا گیا۔ زاد المعاد میں اس خط کی عبارت یوں مرقوم ہے:-

"باسم اله ابراهيم و اسحق و يعقوب اما بعد فانى ادعوكم الى عبادة الله من عبادة العباد و ادعوكم الى ولاية الله من ولاية العباد فان ابيتم فالجزية فان ابيتم فقد اذنتكم بحرب"۔ (زاد المعاد جلد ا صفحہ ۴۹۶)

اہلِ نجران نے جو شمعون کی انجیل کے حامل تھے۔ حضور کے دعویٰ کا سنجیدگی سے جائزہ لیا اور ایک وفد مدینہ بھیجا۔ اشراف نجران میں سے ۶۰۔ افراد کا قافلہ مدینہ پہنچا۔ ان میں سے تین سردار ان کی رہنمائی کر رہے تھے:

(۱)...... العاقب۔ اس کا نام عبدالمسیح تھا اور یہ قوم میں صاحب رائے اور مشیر تھا۔

(۲)...... السید: اس کا عیسائی نام الایہم تھا اور یہ قافلے کا منتظم تھا۔

(۳)...... ابوحارث بن علقمہ: یہ نصاریٰ نجران کا اسقف اعلیٰ تھا۔ و حبرهم و امامهم۔ تعلیمی نظام کا نگران اعلیٰ بھی تھا اور قیصر روم نے اس کو خاص اعزازات اور جاگیریں دی تھیں۔

(زادالمعاد جلد ا صفحہ ۴۹۵)

یہ مشہور واقعہ ہے کہ اسی وفد کو آنحضرتؐ نے مسجد نبوی میں عبادت کرنے کی اجازت دی تھی اور ان کو ہی مباہلہ کی دعوت دی تھی۔ ابوحارث اسقف میں تقویٰ تھا اور اس نے مباہلہ سے انکار کر کے حضور سے مہلت مانگی۔ جب اس نے مدینہ کا ماحول اور آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے قدوسیوں کو دیکھا تو اس کی مردم شناس نگاہوں نے ان کے متعلق صحیح اندازہ لگایا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو کہا دیکھو اگر تم نے مباہلہ کیا تو تم تباہ ہو جاؤ گے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ اس نے کہا:

"انى لَاَرىٰ وجوها لو سألو! الله ان يزيلُ جبلاً من مكانه لازاله"۔

(بحارالانوار جلد ۲ باب المباہلہ)

یعنی "میں ایسے چہرے دیکھتا ہوں کہ اگر خدا سے یہ دعا کریں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے تو خدا تعالیٰ ان کی دعا کو رد نہیں کرے گا"۔

غالباً اسقف نے مسیح کے اس قول کی طرف اشارہ کیا تھا: "اگر تم میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو گا تو اس پہاڑ سے کہہ سکو گے کہ یہاں سے سرک کر وہاں چلا جا اور وہ چلا جائے گا"۔

(متی ۱۷:۲۰)

چنانچہ یہ وفد واپس نجران چلا گیا اور وہاں کئی دن تک حضور کے دعویٰ کی صداقت کو صحیفہ شمعون میں مذکور مسیح علیہ السلام کی پیشگوئی کی روشنی میں زیر بحث لایا گیا تھا جس میں خاتم النبیین کے لئے ایک فرزند نرینہ کی خبر دی گئی تھی اور حضور کا کوئی جسمانی فرزند ایسا موجود نہ تھا۔ اہل نجران نے کہا: "ونبيه الخاتم بشهادة كتب الله عز و جل المنزلة ليس بابتر"۔ پس ابتر کا طعن طعن نہیں تھا ایک اعتراض تھا جس کی اہمیت کو قرآن کریم نے تسلیم کیا ہے۔ تبھی اس مہتم بالشان آیت کو بطور جواب پیش کیا گیا ہے۔

"فقال السيد...... وها انا ذاكر عليك التذكرة بذلك من معدن ثالث فانشرك الله وما انزل الى كلمة من كلماته هل تجد فى الزاجرة المنقولة من لسان اهل سوريا الى لسان العرب. يعنى صحيفة شمعون بن حمون الصفا التى توارثها عنه اهل نجران. قال السيد الم يقل بعد نبذٍ طويلٍ من كلام.

"فاذا طبقت وقطعت الارحام وعفت الاعلام بعث الله عز و جل عبده الفار قليطا بالرحمة و المعدلة قالوا: وماالفارقليطاً يامسيح الله؟ قال احمد النبى الخاتم الوارث ذلك الذى يصلى عليه حسياً ويصلى عليه بعد ما يقبضه اليه بابنه الطاهر الخاير ينشره الله فى آخر الزمان بعد ما انقصمت عرى الدين و خبت مصابيح الناموس و افلت نجومه فلا يلبث ذلك العبدالصالح الاامما حتى يعود الدين به كما به و يقرالله عز و جل سلطانه فى عبده ثم فى الصالحين من عقبه و ينشر منه حتى يبلغ ملكه منقطع التراب"۔ (بحارالانوار جلد ۲)

السید الایہم نے دوران مباحثہ حاضرین کی توجہ اس طرف مبذول کی کہ شمعون بن حمون الصفا کے صحیفہ "الزاجرة" میں جو اسوری زبان سے عربی میں منتقل ہوا اور جس کے وارث نجران کے عیسائی تھے اس میں موعود نبی کے متعلق حضرت مسیح فرماتے ہیں:

"جب زمانہ کے حالات اس قدر بگڑ جائیں گے کہ صلہ رحمی بھی معاشرہ میں سے ختم ہو جائے گی اور اعلیٰ اخلاق معدوم ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے عبد فارقلیط کو مبعوث فرمائے گا۔ حواریوں نے حضرت مسیح علیہ السلام سے دریافت کیا کہ فارقلیط کون ہو گا اور اس کی حیثیت کیا ہو گی؟ تو آپ نے فرمایا وہ احمد نبی خاتم النبیین اور وارث ہونگے۔ جس کی زندگی میں بھی اس پر درود پڑھا جائے گا اور موت کے بعد بھی اس کے پاک اور نیک فرزند کے ذریعہ اس پر درود بھیجا جائے گا۔ اس فرزند کو اللہ تعالیٰ آخری زمانہ میں مبعوث فرمائے گا جبکہ دین کمزور ہو چکا ہو گا اور وحی والہام کی قندیلیں بجھ چکی ہونگی اور ستارے یعنی علماء دین غروب ہو چکے ہونگے۔

یہ فرزند ارجمند اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ دین اپنی پہلی شوکت کو دوبارہ حاصل نہ کر لے۔ اللہ تعالیٰ اس کی زندگی میں بھی اور اس کی موت کے بعد بھی اس کے صالح متبعین میں اس کے غلبہ کو قائم فرمائے گا اور خدا اس کی شہرت اور غلبہ کو زمین کے کناروں تک پہنچائے گا"۔

صحیفہ شمعون کی اس واضح پیشگوئی میں احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر ہے جس کی طرف قرآن کریم نے وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ کے الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے۔ حضرت مسیح نے انہیں فارقلیط کا نام بھی دیا ہے۔

حضرت خدیجہؓ نے حضورؐ کے زمانۂ بعثت کا قریباً یہی نقشہ کھینچا ہے:

"كلّا واللّٰه لايخزيك اللّٰه انكَ لتصل الرّحم و تحمل الكل و تكسب المَعدُوم ......"۔ (بخاری بدء الوحی)

صلہ رحمی اور معدوم اخلاق کا احیاء حضور کے زمانہ بعثت سے پہلے ہی آپ کے ذریعہ شروع ہو چکا تھا۔

پیشگوئی کے دوسرے حصہ میں احمد موعود کے ایک فرزند گرامی ارجمند کا ذکر ہے جو اپنے باپ پر بکثرت سے درود بھیجے گا اور اس کے دین کو دوبارہ قائم فرمائے گا۔

باوجود اس کے کہ پیشگوئی میں احمد کے فرزند کے متعلق یہ تصریح تھی ينشره الله فى آخر الزمان کہ اللہ تعالیٰ اسے آخری زمانہ میں مبعوث فرمائے گا۔ لیکن نصاریٰ نجران میں سے اکثر نے اسے جسمانی فرزند مراد لے کر یہ سمجھا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس پیشگوئی کے مصداق نہیں کیونکہ آپ کے سبھی نرینہ بچے وفات پا گئے ہیں۔ چنانچہ اسی کتاب میں لکھا ہے:

"قال السيد فان من الحق ان لاحظ فى هذه الاكرومة الابتر. قال حارثة انه لكذلك اليس لمحمد ولد قال السيد انك ما علمت الا لذا لميغبرنا سفرنا و اصحابناتجسسنا من خبره ان ولديه الذكرين القرشيه والقبطيه باوايعنى هلكا"۔

(بحارالانوار باب المباہلہ ص ۸۳۱)

الایہم نے پیشگوئی کا متن پڑھنے کے بعد کہا:

اب حق یہ ہے کہ ہم اس عربی نبی کے دعویٰ میں غور کریں۔ حارثہ نے کہا یہ درست ہے۔ کیا محمدؐ کا کوئی فرزند نہیں۔ ایہم نے کہا (تم تو صرف بحث جانتے ہو) کیا ہمارے نمائندوں اور دوستوں نے ہمیں یہ نہیں بتایا کہ انہوں نے محمد عربی کے بارے میں تحقیق کر کے معلوم کیا ہے کہ آپ کے دونوں نرینہ فرزند ایک وہ جو قریشی ماں سے ہے اور دوسرا جو قبطی ماں سے ہے مر چکے ہیں۔

الایہم نے پیشگوئی اس غرض سے پیش کی تھی تاکہ اس میں نبی موعود کے فرزند کی پیشگوئی کو نمایاں کر کے اہل نجران کو دعوت اسلام قبول کرنے سے روکیں۔ اس مقصد کے لئے اس نے یہ دلیل پیش کی کہ محمد عربی (ﷺ) اس پیشگوئی کے اس لئے مصداق نہیں کیونکہ آپ ابتر ہیں اور آپؐ کے دونوں بچے وفات پا گئے ہیں۔

یہی وہ نکتہ تھا جو نجران کے عیسائیوں کے ایمان لانے میں روک بنا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:

"فمن اين زعمتما انه ليس بالوارث الحاشرولا المرسل الى كافة البشر ؟ قالا: لقد علمت و علمنا فما نمترى بان حجة الله عز وجل من ينتهى امرها و انها كلمة الله الجاريه...... فلما اعقمه الله عز و جل بمهلك الذكورة من ولده علمنا انه ليس به لان محمداً ابترو حجة الله عزو جل باقيه ونبيه الخاتم بشهادة كتب الله عز وجل المنزلة ليس بابتر فاذا هو نبى ياتى"۔

(بحارالانوار جلد۶ ص ۸۳۲)

حارث نے اپنے دو ساتھیوں سے پوچھا تم کس دلیل کی بنا پر یہ سمجھتے ہو کہ عربی نبی وارث، حاشر اور تمام بنی نوع انسان کی طرف آنے والا موعود رسول نہیں؟

انہوں نے جواب دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی پیشگوئی میں ہرگز شک نہیں رکھتے۔ جب اللہ عزو جل نے رسول اللہ کی اولاد نرینہ کو وفات دے دی تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ شخص وہ موعود رسول نہیں۔ محمد تو ابتر ہیں اور خدا تعالیٰ کے کلام میں جو صحف مقدسہ میں درج ہے یہ لکھا ہے کہ وہ شخص ابتر نہیں ہو گا۔ اس لئے وہ موعود نبی آئندہ آئے گا۔

اس کے بعد انہوں نے موعود فرزند کی پیشگوئی کی مزید تشریح کرتے ہوئے کہا:

"هو احمد الذى نبّأ المسيح باسمه و بنبوته و رسالاته الخاتمة و بملكة ابنه القادرة الجامعة للناس جميعا على ناموس الله عز وجل الاعظم . ليس بظهرة دينه ولكنه من ذريّته و عقبه"۔

(بحارالانوار جلد۶ ص ۸۳۲)

انہوں نے کہا کہ آنے والا موعود جس کے نام احمد کی مسیح علیہ السلام نے خبر دی ہے اور بتایا ہے کہ وہ خاتم النبیین ہو گا اور یہ بھی بتایا ہے کہ اس کے فرزند کی سلطنت ایسی مضبوط ہو گی کہ روئے زمین کے تمام انسانوں کو خدا کی عظیم ترین وحی (قرآن) پر جمع کرے گا۔

یہ بیٹا اس کا روحانی فرزند نہیں ہو گا بلکہ اس کی ذریت جسمانی اور نسل سے ہو گا"۔

اس سے مترشح ہوتا ہے کہ اسقف نے پیشگوئی کی تشریح میں روحانی فرزند مراد لیا تھا اس لئے وہ دونوں سردار اس کے جسمانی فرزند ہونے پر بار بار اصرار کرتے رہے اور یہی بات ان کی ٹھوکر کا باعث بنی۔ حالانکہ واضح رنگ میں مذکور تھا کہ ينشره الله فى اخر الزمان کہ اللہ تعالیٰ اس کو آخری زمانہ میں مبعوث فرمائے گا۔ بُعدِ زمانی جسمانی

فرزند کی نفی اور روحانی فرزند کی طرف کافی اشارہ تھا پھر اس آخری زمانہ کی علامات بھی مسیح علیہ السلام نے بیان فرمائی ہیں کہ جب فارقلیط کا لایا ہوا دین کمزور ہو جائیگا اور امت روحانی لحاظ سے اس قدر پسماندہ ہو چکی ہو گی کہ ان میں وحی والہام کے چراغ بجھ چکے ہونگے اور نجوم ہدایت غروب ہو چکے ہونگے اس وقت اس فرزند کا ظہور ہو گا۔

اس پیشگوئی میں بتایا گیا ہے کہ جب اسلام کمزور ہو جائے گا (بدء الاسلام غریباًو سیعود کما بدء) اور ایمان کے ثریا پر جانے والے حالات پیدا ہو نگے تو خاتم النبیین کا موعود فرزند ظاہر ہو گا اور وہ دین کو دوبارہ قائم فرمائے گا۔(یحی الدین و یقیم الشریعۃ) یہ حقائق اس بات کا ثبوت تھے کہ موعود نبی کا فرزند جسمانی مراد نہیں کیونکہ ایسے عظیم نبی کی زندگی کے معابعد دین کے کمزور ہونے کا تصور ہی غلط تھا تاہم اہل نجران کی اکثریت اس نکتہ پر ٹھوکر کھا گئی۔

☆......☆......☆

اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔

اس پس منظر کی روشنی میں آپ آیت پر پھر غور کریں تو ثابت ہو گا آیت خاتم النبیین میں مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ کے الفاظ میں نجران کے ان عیسائیوں کے اس اعتراض کو جہاں ظاہری رنگ میں تسلیم کیا گیا ہے وہاں وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ میں رسول اللہ کے اس مقام کا ذکر کیا گیا ہے جس میں حضور کے افاضہ ٔروحانی کا ذکر ہے اور اس مقام کا ذکر ہے جس کے نتیجہ میں آپ کی امت میں روحانی فرزند پیدا ہو نگے۔ جو آپ کی نبی تراش روحانی توجہ سے مقام نبوت پر مبعوث کئے جائیں گے۔

اگر وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ سے یہ مفہوم نہ لیا جائے تو آیت کے اس حصے میں نصاریٰ نجران کے شکوک کا ہرگز ازالہ نہیں ہو گا اور صحیفہ شمعون کی اِسْمُہٗ اَحْمَدُ والی پیشگوئی کو ہم ہرگز ہرگز رسول اللہ ﷺ پر چسپاں کرنے میں حق بجانب نہیں ہو نگے۔

اس لئے ہمیں جبکہ لغت اس بات کی اجازت دیتی ہے خاتَم النّبیین کے وہ معنی کرنے چاہئیں جن سے رسول اللہ کے روحانی فرزند مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کے وجوب کا استدلال ہو تا ہو۔ اس موعود فرزند علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہی معنوں پر زور دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

(۱)......"رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت کا راز ہمارے مخالفوں نے ہر گز نہیں سمجھا۔ جس طرح پر وہ ختم نبوت کو مانتے ہیں اس طرح پر وہ رسول اللہ ﷺ کو معاذاللہ ابتر قرار دیتے ہیں۔ قرآن شریف میں آتا ہے مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔ اب ابوّتِ جسمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے اس میں نفی کی ہے۔ اگر روحانی ابوّت کا سلسلہ بھی جاری نہ ہوا تو پھر کیا آپ کو ابتر مانیں گے؟ ایسا ماننا تو کفر ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ آپ کی ابوّتِ روحانی کا سلسلہ جاری ہے جیسا کہ لفظ لٰکِن ظاہر کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آئندہ جو نبوت یا رسالت ہو گی وہ آنحضرت ﷺ کی مہر سے ہو گی۔ کوئی شخص الہام اور وحی اور روحانی فیوض سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا جب تک وہ آنحضرتؐ کی سچی اتباع سے استفادہ نہ کرے"۔(الحکم ۲۴/نومبر ۱۹۰۲ء ص ۵،۶)

(۲)......"مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جسمانی طور پر آپ کی اولاد کی نفی کی ہے اور ساتھ ہی روحانی طور پر اثبات بھی کیا ہے کہ روحانی طور پر آپ باپ بھی ہیں اور روحانی نبوت اور فیض کا سلسلہ آپ کے بعد جاری رہے گا اور وہ آپ میں سے ہو کر جاری رہے گا۔ نہ الگ طور سے وہ نبوت چل سکے گی"۔

(الحکم ۱۷/اپریل ۱۹۰۳ء، ص۸)

(۳)......"بل ھذا ھو ثبوت من اللّٰہ لنفی کونہ ابتر ولاحاجۃ الی تفصیل لمن تدبر. و انہ ما کان ابا احد من الرجال من حیث الجسمانیۃ ولکنہ اب من حیث فیض الرسالۃ لمن کمّلَ فی الروحانیۃ"۔(مواہب الرحمن روحانی خزائن جلد۱۹ مطبوعہ لندن ص۲۸۶)

ترجمہ: بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے ابتر نہ ہونے کا ثبوت ہے...... آپ جسمانی طور پر تو مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں تھے لیکن اپنی رسالت کے فیضان کی رو سے ہر اس شخص کے باپ تھے جس نے روحانیت کی رو سے کمال حاصل کیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تصانیف نظم و نثر میں بیسیوں جگہ اس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے کہ آپ کامل متابعت رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے اپنے متبوع کے ہر رنگ میں وارث ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

(۱)......انی مومن موحد اتبع رسولی و سیدی ﷺ و جعلنی اللہ وارثاً لعلومہ و باعہ و بعاعہ و ارجوان یشیع نعشی فی اتباعہ۔

(تحفہ بغداد روحانی خزائن جلد۷،ص۳۶)

(۲)......"افاضۂ انوار الٰہی میں محبت اہل بیت کو بھی نہایت عظیم دخل ہے۔ اور جو شخص حضرت احدیت کے مقربین میں داخل ہوتا ہے وہ انہی طیبین طاہرین کی وراثت میں پاتا ہے اور تمام علوم و معارف میں ان کا وارث ٹھہرتا ہے۔

(براہین احمدیہ جلد ۴ حاشیہ در حاشیہ ص ۵۰۳)

(۳)......"وقدختمت النبوۃ علی نبینا ﷺ فلا نبی بعدہ الاالذی نُوِّربنورہ و جُعل وارثہ من حضرۃ الکبریاءؑ۔

(خطبہ الہامیہ روحانی خزائن جلد۱۶ مطبوعہ لندن ص۳۱۰)

(۴)......ورثت علوم المصطفی فاخذتھا
وکیف أرد عطاء ربّی وافجر

(حمامۃ البشریٰ روحانی خزائن جلد۷ مطبوعہ لندن صفحہ۲۳۸)

رُبِّیْتُ مِنْ دَرِّ النبی و عینہ
و اُعْطِیْتُ نوراً من سراج حراء
الشمس ام والھلال سلیلھا
ینمو و ینشأ من ضیاء ذکاء

(انجام آتھم روحانی خزائن جلد ۱۱ مطبوعہ لندن صفحہ ۲۷۷)

پھر حضور خود خاتم النبیین کا فرزند ہونے کا دعویٰ فرماتے ہیں:

دردو عالم نسبتے دارم بتواز بس بزرگ
پرورش دادی مرا خود ہمچو طفلے درکنار

(آئینہ کمالات اسلام)

وانی ورثتُ المالَ مالَ محمدٍ
فما انا الا آلہ المتَخیر

مجھے محمد ﷺ کے مال کا وارث بنایا گیا ہے۔ مجھے کوئی دعویٰ نہیں سوائے اس کے کہ میں آنجناب کی آل برگزیدہ سے ہوں۔

وکیف ورثت و لست من ابناءہ
ففکر و ھل فی حزبکم متفکر

اگر تمہارے اندر کوئی سوچنے کا مادہ رکھتا ہے تو وہ ذرا سوچے کہ اگر میں جناب ﷺ کا فرزند نہیں تو پھر مجھے کیسے وارث بنایا گیا ہے۔

اتزعم ان رسولنا سیدالوریٰ
علی زعم شانئہٖ توفی ابتر

کیا تم حضور کے دشمنوں کی طرح یہ خیال کرتے ہو کہ ہمارا رسول دو جہانوں کا آقا ابتر ہی دنیا سے گزر گیا ہے؟

فلا والذی خلق السماء لاجلہ
لہ مثلنا ولد الی یوم یحشر

ہر گز نہیں۔ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے رسول اللہ کو مقام لولاک عطا فرمایا ایسا ہر گز نہیں۔ اس رسول کے ہمارے جیسے بیٹے موجود ہیں اور قیامت تک موجود رہیں گے۔

"............ مہدی موعود خَلق اور خُلق میں ہمرنگ آنحضرت ﷺ ہو گا اور اس کا اسم آنجناب کے اسم کے مطابق ہو گا یعنی اس کا نام بھی محمد اور احمد ہو گا اور اس کے اہل بیت میں سے ہو گا۔ اور بعض حدیثوں میں ہے کہ مجھ میں سے ہو گا۔ یہ عمیق اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ وہ روحانیت کے رُو سے اس نبی سے نکلا ہو گا............ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی کلام پاک میں آنحضرت ﷺ کے کسی کے باپ ہونے کی نفی کی ہے............ جسمانی خیال کے لوگوں نے کبھی اس موعود کو حسنؓ کی اولاد بنایا اور کبھی حسینؓ کی اور کبھی عباسؓ کی۔ لیکن آنحضرت ﷺ کا صرف یہ مقصود تھا کہ وہ فرزندوں کی طرح اس کا وارث ہو گا۔ اس کے نام کا وارث، اس کے خُلق کا وارث، اس کے علم کا وارث، اس کی روحانیت کا وارث۔ اور ہر ایک پہلو سے اپنے اندر اس کی تصویر دکھلائے گا"۔

(ایک غلطی کا ازالہ روحانی خزائن جلد۱۸ مطبوعہ لندن صفحہ ۲۱۲،۲۱۴)

(۵)...... وانا ورثنا مثل ولد متاعہ
فای ثبوت بعد ذلک یحضر

حقیقت یہ ہے کہ بالکل حقیقی اولاد کی طرح ہم آپ کے اموال روحانی کے وارث ہوئے ہیں اس سے بڑھ کر اور کون سا ثبوت پیش کیا جائے۔

(۶)......اذالقوم قالوا یدعی الوحی عامداً
عجبت فانی ظل بدر ینوّرٗ

جب میری قوم نے کہا کہ یہ شخص جانتے بوجھتے خدا پر افترا کرتے ہوئے وحی کا دعویٰ کرتا ہے تو میں بڑا حیران ہوا۔ میں تو اس بدر منیر ﷺ کا ایک ظل ہوں۔ میری ذات سے یہ کیونکر توقع رکھی جا سکتی ہے۔

(۷)......وانّیٰ لظلٍ ان یخالف اصلہ
فما فیہ فی وجھی یلوح و یذھر

یہ کیونکر ممکن ہے کہ ظل اپنے اصل کا مخالف ہو۔ جو نور میرے آقا میں جلوہ گر ہے میرے چہرے پر تو اس کا عکس ہے۔

(۸)......وانی لذونسب کامل اطیعہ
ومن طینہ المعصوم طینی معطّر

میں اپنے آقا سے نسبت فرزندی رکھتے ہوئے فخر سے کہتا ہوں کہ میں اپنے اصل کی متابعت میں عالی نسب ہوں اور اس کی اطاعت دل وجان سے کرتا ہوں۔ میرا خمیر اسی معصوم نبی کے عطر سے ممسوح ہے۔

یہ امر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ آنحضرتؐ کے متعلق پیشگوئی میں لکھا ہے۔ یصلّی علیہ حیًّا کہ اس کی زندگی بامراد ہو گی اور اس کی زندگی میں اس کے مقدس متبعین کثرت سے اس پر درود بھیجیں گے (ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی یاایھاالذین امنوا صلوا علیہ وسلّموا تسلیما)۔ اور پھر اس کے فرزند کے متعلق لکھا ہے ویصلی علیہ بعد ما یقبضہ الیہ بابنہ الطاھر الخایر ینشرہ فی اخرالزمان۔ کہ اس رسول عربی پر اس کی موت کے بعد اس کے اس پاک فرزند کے ذریعہ درود بھیجا جائے گا جسے اللہ آخری زمانہ میں مبعوث کرے گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"الحمدللہ الذی جعلنی مظھر الآیات و صیّرنی ظل سید الکائنات وجعل اسمی کاسمہ بانواع التفضلات فاتم النعم علی لاحمدہ واکون لہ احمد تحت السموات"۔

(حجۃ اللّٰہ روحانی خزائن جلد۱۲ مطبوعہ لندن صفحہ ۱۲۵)

حضور ساری دنیا کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

وصلوا علیہ وسلموا ایھا الوریٰ
و ذروا لہ طرق التشاجر توجروا

(حمامۃ البشریٰ روحانی خزائن جلد۱۲ مطبوعہ لندن صفحہ ۳۲۲)

۱۸۸۳ء کا الہام ہے:۔

"صلِ علی محمد وال محمد سیّد ولد ادم و خاتم النبیین۔ اور درود بھیج محمد اور آل محمد پر جو سردار ہے آدم کے بیٹوں کا اور خاتم الانبیاء

باقی صفحہ نمبر ۱۱ پر ملاحظہ فرمائیں

قسط ۲ آخری

اِسلام میں عورت کا مقام اور حقوق

محترم مولانا محمد کریم الدین صاحب شاہد ہیڈ ماسٹر مدرسہ احمدیہ قادیان

حق نفقہ

اسی طرح اسلام نے عورت کو یہ حق بھی دیا ہے کہ اس کی روزی روٹی۔ کپڑا اور مکان کی ذمہ داری تمام تر مرد پر ہے۔ ابن ماجہ کی ایک حدیث میں یہ ذکر آتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے بیوی کے حقوق کے بارے میں جب حضرت رسول پاک ﷺ سے دریافت کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: "جو تم کھاؤ وہی اُس کو کھلاؤ۔ جب تم نے کپڑے پہنو تو اس کے بھی ویسے ہی کپڑے بنواؤ۔ کبھی اس کے منہ پر نہ مارو۔ اور نہ اُسے کوئی بُرا کلمہ کہو۔

پس شادی کے بعد عورت کے تمام جائز اخراجات کی اپنی حیثیت کے مطابق کفالت کرنا یہ مرد کا فرض ہے اور ذمہ داری ہے اگر کوئی عورت تجارت سے یا کسی ملازمت سے چاہے ہزاروں روپے کما رہی ہو تو بھی مرد ہی اُس کے اخراجات کا ذمہ دار ہے نہ کہ عورت اور اگر کوئی مرد دو سال تک بیوی کا خرچ ادا نہیں کرتا اور اس سے لاپرواہی اختیار کر کے عورت کو تنگ دستی اور فقر و فاقہ پر مجبور کر دیتا ہے تو وہ عدالت سے رجوع کر کے طلاق حاصل کر سکتی ہے۔

حق وراثت

ایک اور حق جو اسلام نے عورت کو دیا ہے وہ مسلم عورت کو دُنیا کی تمام عورتوں سے ممتاز کرنے والا ہے۔ اور وہ ہے اُس کا حق وراثت۔ اسلامی شریعت میں جس طرح مرد کو جائیداد میں وراثت کا حق دیا گیا ہے اسی طرح مرد کے دوش بدوش عورت کو بھی جائیداد میں حصہ دار بنایا گیا ہے اگر مرد کو باپ بیٹے بھائی اور خاوند وغیرہ کی حیثیت سے حصہ دار مقرر کیا گیا ہے تو عورت کو بھی ویسے ہی ماں، بیٹی بہن اور بیوی وغیرہ کی حیثیت سے حصہ دار مقرر کیا گیا ہے۔ عورت اپنے خاوند کے مال کی وارث ہو سکتی ہے جس طرح مرد اپنی بیوی کے مال کا وارث ہو سکتا ہے اور ہم پورے یقین کے ساتھ بلا خوف تردید یہ کہہ سکتے ہیں کہ عورت کو ایسی مستقل حیثیت اور ایسے مساوی حقوق دُنیا کے کسی مذہب اور سماج نے آج تک نہیں دیئے اور اسی غرض کیلئے قرآن مجید میں ایک مستقل سورہ (یعنی Chapter) سورۃ النساء اُتاری گئی ہے جس میں تفصیل کے ساتھ عورتوں کے تمام حقوق کو بیان کیا گیا ہے جس میں ترکہ اور جائیداد کی تقسیم کو بھی تفصیل کے ساتھ بیان کر کے عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کیا گیا ہے اور سماج میں عورت کے درجہ کو اقتصادی لحاظ سے بھی قابل رشک حد تک مضبوط اور مستحکم بنادیا گیا ہے۔

طلاق اور خلع کا حق

اسلام میں عورت کے حقوق میں سب سے زیادہ اہم طلاق کا مسئلہ ہے بعض دفعہ ازدواجی زندگی میں ایسے پیچیدہ اور مشکل مراحل آجاتے ہیں کہ میاں بیوی کے درمیان محبت اور موافقت باقی نہیں رہتی۔ اور اُن کا ایک ساتھ رہنا مشکل ہو جاتا ہے اور زندگی تلخ اور جہنم کا نمونہ بن جاتی ہے۔ ایسی صورت میں اسلام نے جہاں مرد کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنی شادی کے معاہدہ کو منسوخ کر سکتا ہے جسے طلاق کہا جاتا ہے وہاں عورت کو بھی اسلام نے یہ حق دیا ہے کہ خاوند کے ساتھ نباہ نہ کر سکنے کی صورت میں طلاق حاصل کر سکتی ہے جسے خلع کہا جاتا ہے۔ دیگر مذاہب نے تو طلاق کا حق نہ مرد کو دیا ہے اور نہ عورت کو مسیحیت کے نزدیک عورت کو بجز بدکاری کے مرتکب ہونے اور کسی بھی صورت میں طلاق دینے کا حق نہیں ہے۔ اگرچہ بعد میں عیسائی حکمرانوں نے اپنے ملکی حالات کے مطابق اپنے طور پر طلاق کے قوانین بنالیے ہیں لیکن وہ بھی اسلام کے قانونِ طلاق کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح قدیم ہندو سماج میں بھی طلاق کا کوئی رواج نہیں تھا اب حالات سے مجبور ہو کر ہندو میرج ایکٹ میں اگرچہ قدیم روایات کے برعکس طلاق کا حق دیا گیا ہے لیکن اُسے غیر معمولی طور پر دشوار بنا دیا گیا ہے کیونکہ طلاق دینے والے کیلئے ضروری ہے کہ وہ پہلے عدالت سے قانونی طور پر علیحدگی کی اجازت حاصل کرے۔ اور اس کے دو سال بعد طلاق کے مقدمے کی باضابطہ سماعت شروع ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ انتہائی پر پیچ اور اذیت ناک طریقہ ہے جس میں وکلاء کی فیس۔ عدالتوں کے چکروں کے علاوہ فریقین کو غیر معمولی ذہنی اذیت بھی برداشت کرنی پڑتی ہے۔ دو سال کی قانونی علیحدگی کے بعد اس مقدمے کی سماعت اور پھر طلاق کی بنیاد درست ہونے کیلئے ثبوت کی فراہمی ایسی چیزیں ہیں جنہوں نے طلاق کو عملاً ناممکن الحصول بنا دیا ہے یہی وجہ ہے کہ ہندو سماج میں آج اگر کوئی شوہر اپنی بیوی سے چھٹکارا پانا چاہتا ہے تو عدالت کا رخ کرنے کی بجائے بیوی کو زندہ جلا دینا ہی بہتر سمجھتا ہے۔ آئے دن اخباروں میں ایسی خبریں چھپتی رہتی ہیں کوئی۔ ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔

اسلام نے اگرچہ مرد اور عورت دونوں کو یکساں طور پر طلاق حاصل کرنے کا حق دیا ہے لیکن ساتھ ہی اس امر کی بھی تاکید کی ہے کہ جلد بازی نہ کی جائے مصالحت کے تمام ممکنہ طریقوں کو بروئے کار لایا جائے اور حتی الامکان سمجھوتا کرانے کی کوشش ہو۔ آنحضرت ﷺ نے طلاق کو ابغض الحلال قرار دیا ہے یعنی طلاق دینے کی اجازت تو ہے مگر خدا تعالیٰ کو یہ فعل ناپسند ہے۔ اس لئے اسے کھلواڑ نہ بنایا جائے۔ ہاں جب مصالحت اور موافقت کی کوئی بھی صورت نہ ہو سکتی ہو تو پھر ایسی صورت میں جدائی ضروری ہے لیکن طلاق دینے والے پر ایسی پابندیاں اور شرطیں مقرر کی گئی ہیں جو عورت کے حقوق کی دیکھ بھال اور حفاظت کیلئے لازمی ہیں تاکہ اس دوران اگر اپنی غلطی پر ندامت کا احساس ہو تو وہ دونوں باہم پھر رجوع کر کے خوشگوار ازدواجی زندگی کی طرف لوٹ سکیں۔ مثلاً یہ کہ جو مہر کی رقم وغیرہ مرد نے اپنی بیوی کو دی تھی اُس کا نقصان گوارا کرے۔ اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ میاں بیوی دونوں اللہ کے حکموں پر چل نہ سکیں گے تو ایسے موقعہ پر کچھ دے دلا کر جدائی کرنا بھی جائز پھر مرد کو یہ تاکید ہے کہ حیض کے ایام میں طلاق نہ دے تاکہ بیوی کی طرف رغبت کا رجحان پیدا ہو سکے اور اگر وقتی جوش اور غصے میں غلط قدم اُٹھالیا ہے تو اس کا مداوا ہو سکے اور عورت کی حق تلفی نہ ہو لیکن اگر طلاق کا پختہ ارادہ کر ہی لیا ہو تو اس صورت میں بغض و عناد کا سلوک نہ ہو بلکہ خوشگوار طریق سے عورت کو رخصت کیا جائے اور احسان کا سلوک کرے۔ طلاق سے جدائی کیلئے تین ماہ کا عرصہ بطور عدت رکھا گیا ہے۔ اس عرصہ میں یہ حکم ہے کہ عورت کو اس کا خاوند اپنے ہی گھر میں رکھے۔ اُس کے تمام اخراجات برداشت کرے۔ اور جب جدائی کامل طور پر ہو جائے تو پھر عورت آزاد ہے اور اُس کی کفالت کی ذمہ داری اُس کے والدین اور صلبی رشتہ داروں پر عائد ہوگی اگر عورت بے سہارا ہو تو بیت المال یا ریاست اُس کی کفیل ہوگی۔

یہ تو ہوئی مرد کی طرف سے طلاق دیئے جانے پر عورت کے حق کی بات لیکن اسلام نے عورت کو بھی یہ حق دیا ہے کہ اگر خاوند کے ساتھ اُس کا رہنا کسی طرح بھی ممکن نہ ہو تو وہ اپنے خاوند سے طلاق لے سکتی ہے جسے شرعی اصطلاح میں خلع کہا جاتا ہے عورت کے اس حق کے بارے میں بانیٔ جماعت احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"شریعتِ اسلام نے صرف مرد کے ہاتھ میں ہی اختیار نہیں رکھا کہ جب کوئی خرابی دیکھے یا ناموافقت پاوے تو عورت کو طلاق دیدے۔ بلکہ عورت کو بھی یہ اختیار دیا ہے کہ وہ بذریعہ حاکم وقت کے طلاق لے لے اور جب عورت بذریعہ حاکم کے طلاق لیتی ہے تو اسلامی اصطلاح میں اس کا نام خلع ہے۔ جب عورت مرد کو ظالم پاوے یا وُہ اس کو ناحق مارتا ہو یا اور طرح سے ناقابل برداشت بدسلوکی کرتا ہو یا کسی اور وجہ سے ناموافقت ہو، یا وہ مرد دراصل نامرد ہو، یا تبدیل مذہب کرے، یا ایسا ہی کوئی اور سبب پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے عورت کو اُس کے گھر میں آباد رہنا ناگوار ہو تو ان تمام حالتوں میں عورت یا اُس کے کسی ولی کو چاہئے کہ حاکم وقت کے پاس یہ شکایت کرے۔ اور حاکم وقت پر یہ لازم ہوگا کہ اگر عورت کی شکایت واقعی درست سمجھے تو اُس عورت کو اُس مرد سے اپنے حکم سے علیحدہ کر دے۔ اور نکاح کو توڑ دے۔ لیکن اس حالت میں اُس مرد کو بھی عدالت میں بلانا ضروری ہوگا کہ کیوں نہ اُس کی عورت کو اس سے علیحدہ کیا جائے۔ اب دیکھو یہ کس قدر انصاف کی بات ہے کہ جیسا کہ اسلام نے یہ پسند نہیں کیا کہ کوئی عورت بغیر ولی کے جو اُس کا باپ یا بھائی یا اور کوئی عزیز ہو، خود بخود اپنا نکاح کسی سے کرے، ایسا ہی یہ بھی پسند نہیں کیا کہ عورت خود بخود مرد کی طرح اپنے شوہر سے علیحدہ ہو جائے بلکہ جدا ہونے کی حالت میں نکاح سے بھی زیادہ احتیاط کی ہے کہ حاکم وقت کا ذریعہ بھی فرض قرار دیا ہے تا عورت اپنے نقصان عقل کی وجہ سے اپنے تئیں کوئی ضرر نہ پہنچا سکے۔"

(چشمہ معرفت صفحہ ۲۷۳ تا ۲۷۶)

بیوہ کی شادی

سامعین کرام! معاشرے میں بعض دفعہ ایسی صورت بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ خاوند فوت ہو جاتا ہے اور عورت بے سہارا رہ جاتی ہے۔ ایسی صورت میں بھی اسلام نے عورت کے حقوق کی پوری نگہداشت کی ہے اور جس طرح مرد کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ بیوی کے فوت ہونے کی صورت میں دوسری شادی کر سکتا ہے اسی طرح عورت کو بھی یہ حق دیا ہے کہ خاوند کی وفات کے بعد وہ دوسری شادی کر سکتی ہے چنانچہ قرآن مجید میں مسلم سماج کو ان الفاظ میں ترغیب دلائی گئی ہے کہ وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ (سورۃ النور: ۳۳) معاشرہ میں بیوہ عورتوں کی شادی کرادیا کرو۔ اس لحاظ سے ایک مسلمان عورت اپنے خاوند کی وفات کے بعد ساری عمر بے سہارا آہیں بھرتے ہوئے اپنے جذبات کچل کر ذلت کی زندگی نہیں گذارتی بلکہ مناسب حال دوسری شادی کر کے اپنی زندگی خوشگوار بنانے اور باعزت زندگی گذارنے کا پورا حق رکھتی ہے اس کے برعکس ہندو سماج میں خاص کر اعلیٰ ذاتوں میں بیوہ کی شادی کو معیوب سمجھا جاتا ہے بیوہ کو نحوست اور دیوتاؤں کے غضب کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اس تعلق میں اگرچہ بہت سی اصلاحی تحریکیں چلیں اور بیوہ کی شادی پر خاصا زور بھی دیا گیا اور اب تک یہ موضوع اخبارات کی زینت بنتا رہتا ہے لیکن بیوہ کی شادی کا مسئلہ اب تک جوں کا توں موجود ہے چنانچہ ۲۲ ستمبر ۱۹۷۱ء کو حکومت ہند

کی طرف سے ایک قومی کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے گیارہ ممبروں نے ہندوستان میں عورت کی حیثیت سے متعلق اپنی تحقیق ۳۱؍دسمبر ۱۹۷۴ء کو حکومت کے سامنے پیش کی تھی۔ اس کا خلاصہ انڈین کونسل آف سوشل سائنسز ریسرچ نے اُردو میں ”ہندوستان میں عورت کی حیثیت“ کے نام سے شائع کیا ہے اُس میں بیان کیا گیا ہے کہ ۱۹۵۱ء میں بیواؤں کی تعداد دو کروڑ ۲۰ لاکھ رہی ہے اور ۱۹۷۱ء میں یہ تعداد بڑھ کر ۲ کروڑ ۳۰ لاکھ ہو گئی ہے اور بیان کیا گیا کہ ہمارے یہاں بیوہ کی جو حالت ہے وہ ہمارے معاشرہ کے دامن پر بدنما داغ ہے ہم لوگ بنارس میں ایسی بہت سی بیواؤں سے ملے جو محتاجی کی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ جن کو اُن کے خاندان کے بے غیرت لوگ یہاں چھوڑ گئے یہ خیرات مانگ کر یا چھوٹے موٹے کام کر کے اپنا پیٹ بھر رہی ہیں۔ (ملاحظہ ہو کتاب ”ہندوستان میں عورت کی حیثیت“ صفحہ ۴۴)

لیکن اسلام نے بیوہ کی بھی پوری عزت قائم کی۔ اُس کو معاشرہ میں بے سہارا نہیں چھوڑا بلکہ سر اُٹھا کر جینے کے مواقع بہم پہنچائے اور اس کے حقوق کی پوری حفاظت کی خود بانیٔ اسلام سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اکثر بیوہ عورتوں سے شادی کر کے مسلمانوں کیلئے ایک اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ الغرض اسلام نے عورت کا مقام اور مرتبہ جس رنگ میں بلند کیا ہے اور جس رنگ میں اُس کے حقوق کی حفاظت کی ہے اُس کی نظیر دُنیا کا کوئی ملک اور دنیا کا کوئی سماج پیش نہیں کر سکتا۔

اب آخر میں میں دو باتوں کا خاص طور پر ذکر کرنا چاہتا ہوں جن کو لے کر عموماً اسلام پر اعتراض بھی کیا جاتا ہے اور ان امور کو عورت کی ترقی کے راستے میں رکاوٹ قرار دیا جاتا ہے۔

پردہ

پہلی بات عورتوں کے پردے کے متعلق ہے کہا جاتا ہے کہ اسلام نے پردے کی رسم کو جاری کر کے عورت کے ساتھ بے انصافی کی ہے حالانکہ اس بارے میں بھی اسلام نے نہایت ہی حکیمانہ اور منصفانہ رویہ اختیار کیا ہے کہ گھر عورت کی سلطنت ہے اور محبت اس کا عصائے شاہی جس کے ساتھ وہ اپنے بچوں پر حکومت کرتی ہے ا پنے کاروبار یا دیگر ضروریات کیلئے وہ گھر سے باہر بھی جا سکتی ہے مگر اُس کا باہر جانا جاہلانہ طریق پر نہ ہو۔ دُنیا میں ہمیں یہ فطری قانون نظر آتا ہے کہ جو چیز جتنی قیمتی ہوتی ہے اُتنا ہی وہ پردوں اور غلافوں میں رکھی جاتی ہے اس لئے پردہ بھی دراصل عورت کی عزت و ناموس کی حفاظت اور اس کی تکریم و تحریم کیلئے ہے۔ اور اس کی حکمت یہ ہے کہ عورت سوسائیٹی میں بدی اور بدکاری پھیلنے کا ذریعہ نہ بن جائے اور وہ مردوں کی ہولناک اور لالچ بھری بری نظروں سے محفوظ رہے۔ جیسے کسی شاعر نے کہا ہے

اچھی صورت بھی کیا بری شے ہے
جس نے ڈالی بری نظر ڈالی

البتہ مسلمانوں نے بعد میں پردے میں اس قدر سختی اختیار کی کہ عورت کو گویا قید میں باندھ دیا گیا۔ یہ چیز اسلام میں پسندیدہ نہیں اور نہ ہی اسلام یورپین سماج کی طرح مرد اور عورت کا باہم آزادانہ میل جول پسند کرتا ہے جو انتہائی بھیانک نتائج پیدا کر رہا ہے اس کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ آج یورپ و امریکہ میں بے پردگی کے نتیجہ میں جنسی بے راہ روی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ اخبارات میں شائع شدہ ایک امریکی رپورٹ کے مطابق اس ملک میں ہر روز نو ہزار ۷۷ بچے پیدا ہوتے ہیں جن میں سے ۲۶۳ ۱ ناجائز ہوتے ہیں ہر روز تین ہزار دو سو ۲۱ اسقاط حمل ہوتے ہیں اور ہر روز دو ہزار سات سو ۴۰ لڑکیاں سن بلوغت سے قبل ہی حاملہ ہو جاتی ہیں اور روزانہ ۶۸ ہزار چار سو ۹۳ بچے کمسن بچے سوزاک اور آتشک جیسی خطرناک بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ (سہ روزہ دعوت دہلی ۴؍اپریل ۱۹۸۴ء) اور اب تو ایڈز جیسی خطرناک اور لاعلاج بیماری بھی دراصل بے پردگی اور بدکاری کا ایک بھیانک تحفہ ہے لیکن اسلامی ممالک میں ان برائیوں کا عشر عشیر بھی آپ کو نہیں ملے گا۔

علاوہ ازیں عورت اور مرد کے کھلے میل جول کو آریہ سماج کے بانی پنڈت دیانند جی نے بھی پسند نہیں کیا سوامی جی نے ستیارتھ پرکاش کے تیسرے باب میں درس و تدریس کے جو قواعد بیان کئے ہیں اس میں لکھا ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں کے اسکول الگ الگ دو دو کوس کے فاصلے پر ہوں اور پانچ سالہ لڑکی اور پانچ سالہ لڑکے کو بھی ایک دوسرے کے پاٹھ شالہ میں نہ جانے دیا جائے۔ آگے لکھا ہے ”مطلب یہ کہ جب تک وہ برہم چاری یا برہم چارنی رہے تب تک عورت و مرد کے باہمی دیدار مَس کرنے۔ اکیلے رہنے۔ بات چیت کرنے۔ باہم کھیلنے، شہوت کا خیال اور۔ شہوانی صحبت ان آٹھ قسم کی زناکاری سے الگ رہیں“۔

افسوس ہے کہ لوگ بے پردگی کے بدنتائج کو دیکھنے اور محسوس کرنے کے باوجود بھی اسلامی پردہ پر اعتراض کرتے ہیں ورنہ مسلمان خواتین پردہ میں رہ کر بھی سیر و شکار کرتی رہی ہیں۔ علوم و فنون سیکھتی رہی ہیں سیاست میں حصہ لیتی رہی ہیں۔ برقعہ پوش چاند بی بی کے جنگی کارناموں سے تاریخ ہند مزین ہے۔ گلبدن بیگم زیب النساء۔ روشن آراء وغیرہا کے علمی کارناموں کی دھوم ہے۔ تاج بی بی جیسی خواتین سیاسی اور رفاہِ عام کے کاموں کی وجہ سے مشہور ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کی بیبیاں جنگوں میں۔ نوروں میں اور قومی کاموں میں شریک ہوتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود ایک جنگ کی کمان سنبھالی تھی۔ موجودہ زمانے میں جماعت احمدیہ کی خواتین برقعہ پہن کر کیمبرج یونیورسٹی میں پڑھتی بھی ہیں اور مردوں کے شانہ بشانہ قومی خدمات بھی سرانجام دیتی ہیں۔ پس پردہ کسی بھی طرح سے نہ تو عورت کے لئے قید ہے اور نہ ہی اُس کی ترقی کی راہ میں کوئی رکاوٹ۔

تعدد ازدواج

دوسری بات جس کی وضاحت کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے وہ ہے تعددِ ازدواج کا مسئلہ یعنی مرد کا ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنا۔ اسلام نے اجازت دی ہے کہ ضرورت حقہ کے مطابق مرد ایک سے زیادہ شادیاں کر سکتا ہے۔ لیکن بیک وقت چار سے زیادہ کرنے کی بالکل اجازت نہیں۔ اور یہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ اگر بیویوں میں عدل و انصاف نہ کر سکے تو پھر صرف ایک ہی شادی کی اجازت ہے زیادہ کی ہرگز نہیں۔ (النساء:۴)

اس معاملہ میں یہ بات مد نظر رکھنی چاہئے کہ اسلام سے قبل ایک مرد جتنی چاہے شادیاں کر سکتا تھا۔ تعداد کی کوئی قید نہیں تھی۔ اسلام نے دراصل اسی کثرتِ بے قید پر روک لگا کر چار کی تعداد میں محدود کر دیا۔ دوسری بات یہ بھی مد نظر رہے کہ بسا اوقات ایک انسان کو کئی طرح کی مجبوریاں پیش آتی ہیں کہ دوسری شادی کرنا اس کیلئے ضروری ہو جاتا ہے مثلاً بیوی دائم المرض ہو اور حقِ زوجیت ادا نہ کر سکتی ہو۔ یا اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ ہو۔ یا اولاد نرینہ پیدا نہ ہو رہی ہو۔ یا بیکس بیواؤں اور تیموں سے حسن سلوک مقصد ہو۔ اسی طرح صلح و آشتی اور قیام امن کیلئے مختلف خاندانوں سے مراسم کو رشتہ داری کے مضبوط تعلق پر استوار کرنا وغیرہ کئی ایسے مصالح ہو سکتے ہیں جن کے پیش نظر ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ مگر یہ بات ذہن میں رہے کہ ان حالات میں اسلام نے ایک سے زیادہ چار تک شادی کرنے کی صرف اجازت دی ہے۔ نہ کہ ایسا کرنے کا جبری اور لازمی حکم۔ اور پھر اس اجازت کے ساتھ جو شرائط عائد کی گئی ہیں وہ اتنی کڑی ہیں کہ جن کا پورا کرنا ہر انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ اور وہ یہ کہ تمام بیویوں میں عدل و انصاف اور مساوات کا طریق اختیار کیا جائے کھانے پینے۔ پہننے اوڑھنے اور رہائش میں سب کو یکساں سہولتیں مہیا کرے۔ سب کے جذبات کا یکساں خیال رکھے۔ سب کیلئے برابر باریاں مقرر کرے۔ اگر ان تمام تقاضوں کو پورا کرنے کی کوئی شخص طاقت نہیں رکھتا اور پھر بھی عدل و انصاف کا خون کرتے ہوئے زیادہ شادیاں کرتا ہے تو یہ یقیناً ظلم کی راہ ہو گی اسی لئے اسلام نے کہا ہے کہ تم خود اپنے نفس کا جائزہ لیکر دیکھو کہ کیا تم عدل سے کام لے سکتے ہو؟ اگر نہیں تو پھر ایک ہی بیوی کرنی ہے دوسری کی اجازت نہیں ہو گی۔

پھر یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ بعض دفعہ جنگوں کے نتیجہ میں آبادی اتنی کم ہو جاتی ہے کہ ملک میں طاقت کو برقرار رکھنے کیلئے زیادہ بچے پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جیسا کہ دوسری جنگ عظیم کے دوران یورپ کے بعض ممالک میں ایسی صورت حال پیش آچکی ہے اگر ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی بالکل اجازت ہی نہ ہو تو پھر ایسے مواقع پر ایک عظیم قومی نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کیونکہ یہ ایک عقلی اور مشاہداتی بات ہے کہ ایک مرد کئی عورتوں سے زیادہ اولاد پیدا کر سکتا ہے لیکن ایک عورت کئی مردوں سے زیادہ اولاد پیدا کر ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ ۱۹۲۸ء میں برطانیہ کے مشہور ادیب مسٹر جارج برنارڈ شا نے ایک مضمون ”شادی کی اصلاح“ کے عنوان سے مختلف اخبارات میں شائع کروایا تھا اس میں انہوں نے لکھا کہ:-

”بیویوں کی تعداد کا تعین کوئی مذہبی مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق مردوں اور عورتوں کے تناسب آبادی سے ہے۔ اگر ایک لڑائی میں ملک کے ۴؍۳ مرد کام آئیں تو ہمیں مسلمانوں کے چار نکاح کے اصول پر عامل ہونا پڑے گا تاکہ آبادی پوری ہو۔ عورتوں کو جنگ میں شریک نہیں ہونے دیا جاتا۔ اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ مرد عورتوں کے حق میں کچھ فراخدلی یا فیاضی سے کام لینا چاہتے ہیں بلکہ عورتوں کی جان کی زیادہ قدر کرنے کا سبب یہی ہے کہ ایسا کرنا لازمی اور لابدی ہے۔ کیونکہ اگر کثیر تعداد میں عورتیں ہلاک ہو جائیں یا جسمانی طور پر بیکار ہو جائیں تو خواہ شادی کے قانون میں کوئی ترمیم بھی کی جائے ملک کی تباہی رک نہیں سکتی۔ کیونکہ عورت زیادہ خاوندوں کے ساتھ کم اولاد پیدا کر سکتی ہے۔ مگر مرد زیادہ بیویوں کے ساتھ زیادہ اولاد پیدا کر سکتا ہے“۔

(بحوالہ ریویو آف ریلیجنز مئی ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۰)

سامعین کرام! اس تعلق میں اصل سوال یہ ہے کہ مرد کو ایک سے زیادہ عورتوں سے جنسی تعلقات قائم کرنے کی اجازت ہونی چاہئے یا نہیں؟ اگر ہو تو اس کی شرائط اور حدود کیا ہوں؟ موجودہ دور میں اسلام کے تعدد ازدواج کو سخت معیوب سمجھنے والی مغربی تہذیب کا یہ دستور ہے کہ مرد جتنی بھی عورتوں سے چاہے آزاد جنسی تعلق رکھ سکتا ہے۔ دونوں کی رضامندی کے سوا مرد پر نہ کوئی ذمہ داری ہے اور نہ ہی پابندی۔ مرد نکاح کرنا چاہتا ہے تو بس ایک ہی عورت سے کر سکتا ہے دوسری سے نہیں۔ جیسا کہ ہندو کوڈ میں ہے۔ ہاں بیوی بنائے بغیر جتنی عورتوں سے چاہے ناجائز تعلق رکھ سکتا ہے۔ اس صورت میں مرد پر نہ عورت کے نان و نفقہ کی ذمہ داری ہو گی نہ ہونے والی اولاد کی کفالت کی اور نہ ہی وہ اولاد اس کی جائیداد میں حصہ دار ہو گی۔ مغربی تہذیب کے نزدیک یہ صورت عیاشی کی نہیں بلکہ عین تہذیب اور سراسر عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ لیکن اگر ایک مسلمان بدکاری اور آوارگی کو پسند نہیں کرتا بلکہ اس سے بچنے کیلئے ایک عورت کی موجودگی میں دوسری عورت سے شادی کر کے اس

(باقی صفحہ ۱۱ پر ملاحظہ فرمائیں)

بقیہ صفحہ (۱۵)

عورت کے نان ونفقہ اور رہائش اور اُس کی اولاد کی تمام ترذمہ داریاں قبول کرتا ہے تو مغرب زدہ لوگوں کے نزدیک وہ عیاش اور عورتوں پر ظلم ڈھانے والا بن جاتا ہے۔

جنون کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنون
جو چاہے تیرا حسن کرشمہ ساز کرے

تعدد ازدواج کے مخالفین کو امریکہ کی مسز یمپل نے ان الفاظ میں کھری سنائی ہے کہ:۔

”زوجِ واحد کا جھوٹ موٹ کا قاعدہ سخت دھوکا اور منافقت ہے۔ لاکھوں رنڈیاں جو صرف نیویارک میں ہیں اُن کو ہمارے خاوند ۔ بھائی اور باپ ہی کھانے پینے اور پہننے کو دیتے ہیں جو بیوی اور بچوں کا حق ہوتا ہے“۔

(بحوالہ ریویو آف ریلیجنز مئی ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۰)

اور یہ بات یورپ و امریکہ ہی سے مخصوص نہیں بلکہ خود ہمارے ملک کا بھی یہی حال ہے۔ اور یہ نتیجہ ہے اِس امر کا کہ اسلام کے بتلائے ہوئے فطری اُصولوں سے روگردانی کی گئی ہے۔ پس ضرورت کے وقت اسلام نے ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی اجازت دیکر ساتھ ہی پابندیاں بھی ایسی لگادی ہیں کہ جن سے عدل وانصاف بھی قائم ہو اور عورتوں کے حقوق کا بھی تحفظ ہو جائے۔

احباب کرام! اگر کوئی عورت اسلامی اجازت سے فائدہ اُٹھانے والے مرد کو ظالم سمجھتی ہے تو وہ اُس سے طلاق لے کر علیحدہ ہو سکتی ہے۔ اور اگر کوئی عورت دوسری شادی کی اجازت دینے کیلئے تیار نہیں ہے تو خاوند بھی اس کو طلاق دے کر آزاد ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جس عورت سے مرد دوسری شادی کرنے لگا ہے اگر وہ اپنی سوتن کو برداشت نہیں کر سکتی اور اس میں اپنی حق تلفی سمجھتی ہے تو اُس پر بھی کوئی جبر نہیں کہ وہ ضرور ایسے مرد سے شادی کرے۔ وہ اپنا نفع نقصان خود سمجھتی ہے اس لئے یہ اعتراض کرنا کہ اس سے اعتدال قائم نہیں رہتا اور عورتوں پر ظلم ہے یہ محض تعصب اور فطری حقائق سے منہ موڑنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ اسلام کے تمام احکام عین فطرتِ انسانی کے مطابق ہیں۔

پس اسلام میں مردوں اور عورتوں کے حقوق بحیثیت انسان ہونے کے برابر ہیں جس طرح عورتوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ مردوں کے حقوق کا خیال رکھیں اسی طرح مردوں کیلئے بھی ضروری ہے کہ وہ عورتوں کے حقوق ادا کریں۔ اسلام سے قبل تو عورتوں کے کوئی حقوق ہی تسلیم نہیں کئے جاتے تھے۔ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے عورتوں کی انسانیت کو نمایاں کر کے دکھایا اور حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے عورتوں کے بلحاظ انسانیت برابر کے حقوق قائم کئے۔ آپؐ نے اس کمزور طبقہ میں وہ انقلاب برپا کیا کہ پامال کو نہال پژمردہ کو سرسبز اور کمزور کو بلند وبالا مرتبہ عنایت کیا۔

ماں ایسی بیچاری تھی کہ ہم وغم کی مجسم تصویر۔ تمام جہان کے مصائب و آلام کا شکار نڈھال اور مفلوک الحال جو اپنے لختِ جگر کے سامنے اپنی داستانِ غم کا ایک حرفِ شکایت بھی اپنی زبان پر نہیں لا سکتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت الفردوس جیسی نعمت اس کے قدموں میں ڈال دی۔ اور مغرور وسرکش بیٹے کا سر انتہائی تعظیم وتکریم کے ساتھ اپنی ماں کے قدموں میں جھکا دیا۔

لاچار وبے بس بیوی جو ظلم وستم کا نشانہ اور جانوروں سے بھی بدتر حیثیت رکھتی تھی اُس کے تمام دلخراش صدمے مٹا دئے۔ اُسے حرم جیسا پر احترام لقب دیا مردوں کے لئے لباس قرار دیا۔ اور اکرام کے سب سے بلند مقام پر بصد اعزاز بٹھایا۔ عورتوں کو دئے گئے بلند مقام ومرتبہ اور مساویانہ حقوق ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس میں عورتیں بے دھڑک چلی جاتیں۔ آپؐ سے مسائل پوچھتیں۔ اپنے حقوق کا مطالبہ کرتیں۔ عورتوں کی اس بڑھتی ہوئی جرأت کو دیکھ کر ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اسلام کے لطف وکرم نے عورتوں کو بہت دلیر بنا دیا ہے تو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنیا النِّسَاءُ والطِّیبُ وجُعِلَ قُرَّةُ عَینِی فِی الصَّلاة (سنن نسائی جلد دوم کتاب عشرة النساء مترجم صفحہ ۴۵۴) یعنی دنیا میں دو چیزوں کی محبت میرے دل میں ڈال دی گئی ہے ایک تو خوشبو ہے اور دوسرے طبقہ نسواں ہے۔ مگر میری آنکھ کی ٹھنڈک تو نماز میں ہے۔

پس آنحضرت ﷺ کے کلام میں عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور اُن کے حقوق اور اُن کی قابلیتوں کے متعلق جس قدر ارشادات پائے جاتے ہیں اُن کا دسواں حصہ بھی کسی اور مذہبی پیشوا کی تعلیم میں نہیں ملتا۔ اسلام نے جس طرح مردوں اور عورتوں کو یکساں احکام دیئے ہیں اُسی طرح اُن کو انعامات میں بھی یکساں شریک قرار دیا ہے کہ جن نعمتوں کے مرد مستحق ہوں گے اسلامی تعلیم کے مطابق قیامت کے دن وہی نعمتیں عورتوں کو بھی ملیں گی۔

غرض اسلام نے نہ اس دُنیا میں عورتوں کی کوئی حق تلفی کی ہے اور نہ اگلے جہان میں اُنہیں کسی انعام سے محروم رکھا ہے بلکہ دین ودنیا میں فطری حدود کے اندر مساوی حقوق دئے ہیں اور مقام ومرتبہ بلند کیا ہے۔ اُن کی عزت وشان بڑھائی ہے!!۔

واخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بقیہ: مقام خاتم النبیین از صفحہ نمبر 8

ہے ﷺ۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ سب مراتب اور تفضلات اور عنایات اسی کے طفیل سے ہیں اور اسی سے محبت کرنے کا یہ صلہ ہے...... اور ایسا ہی الہام متذکرہ بالا میں جو آل رسولؐ پر درود بھیجنے کا حکم ہے۔ سو اس میں بھی یہی سرّ ہے کہ افاضہ انوار الٰہی میں محبت اہل بیت کو بھی نہایت عظیم دخل ہے اور جو شخص حضرت احدیت کے مقربین میں داخل ہوتا ہے وہ انہیں طیبین طاہرین کی وراثت پاتا ہے اور تمام علوم و معارف میں ان کا وارث ٹھہرتا ہے“۔ (براہین احمدیہ حصہ چہارم روحانی خزائن جلد ۱ مطبوعہ لندن صفحہ ۵۹۸،۵۹۷)

اور حضور ایک کشف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ درود شریف کے پڑھنے میں یعنی آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے میں ایک زمانہ تک مجھے بہت استغراق رہا کیونکہ میرا یقین تھا کہ خدا تعالیٰ کی راہیں نہایت دقیق راہیں ہیں وہ بجز وسیلہ نبی کریم کے مل نہیں سکتیں۔ جیسا کہ خدا بھی فرماتا ہے وابتغوا الیه الوسیلة۔ تب ایک مدت کے بعد کشفی حالت میں میں نے دیکھا کہ دو سقے یعنی ماشکی آئے۔ ایک اندرونی راستہ سے اور ایک بیرونی راہ سے میرے گھر میں داخل ہوئے اور ان کے کاندھوں پر نور کی مشکیں ہیں اور کہتے ہیں هذا بما صلیت علی محمّد“۔

فرزند موعود کے متعلق صحیفہ شمعون میں لکھا ہے کہ: ”**ویقر الله عز و جل سلطانه فی عهده ثم فی الصالحین من عقبه وینشر منه حتی یبلغ ملکه منقطع التراب**“۔

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ اس کے عہد میں ہی اس کا غلبہ قائم فرمائے گا اور اس کے بعد اس کی پاکیزہ نسل کے ذریعہ یہ غلبہ وسیع ہوگا حتی کہ اس کی سلطنت زمین کے کناروں تک پہنچ جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا:

”خدا تیرے نام کو اس روز تک جو دنیا منقطع ہو جائے عزت کے ساتھ قائم رکھے گا اور تیری دعوت کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دے گا“۔

(اشتہار ۲۰/فروری ۱۸۸۶ء)

اور فرمایا: ”میں تجھے زمین کے کناروں تک عزت کے ساتھ شہرت دوں گا اور تیرا ذکر بلند کروں گا“۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۶۳۵،۶۳۲)

اس پیشگوئی میں خلافت احمدیہ کے دائمی ہونے کی بھی بشارت ہے اور مسیح علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ احمد کے فرزند روحانی یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کے بعد بھی آپ کی ذریت میں سے صالحین کو اللہ تعالیٰ اقتدار اور غلبہ عطا فرمائے گا حتی کہ اس کی سلطنت روحانی زمین کے کناروں تک پہنچ جائے گی۔ **اللهم صل علی محمد و آل محمد۔**

(بشکریہ مجلہ الجامعہ جلد ۲ نمبر ۱)

ارشاد نبویؐ

خَیرُ الزَّادِ التَّقوٰی

سب سے بہتر زادِ راہ تقویٰ ہے

منجانب

رکن جماعت احمدیہ ممبئی

طالبانِ دُعا:۔

آٹو ٹریڈرز

AUTO TRADERS

16 مینگو لین کلکتہ 700001

دکان-248-1652, 248-5222

رہائش-243-0794, 27-0471

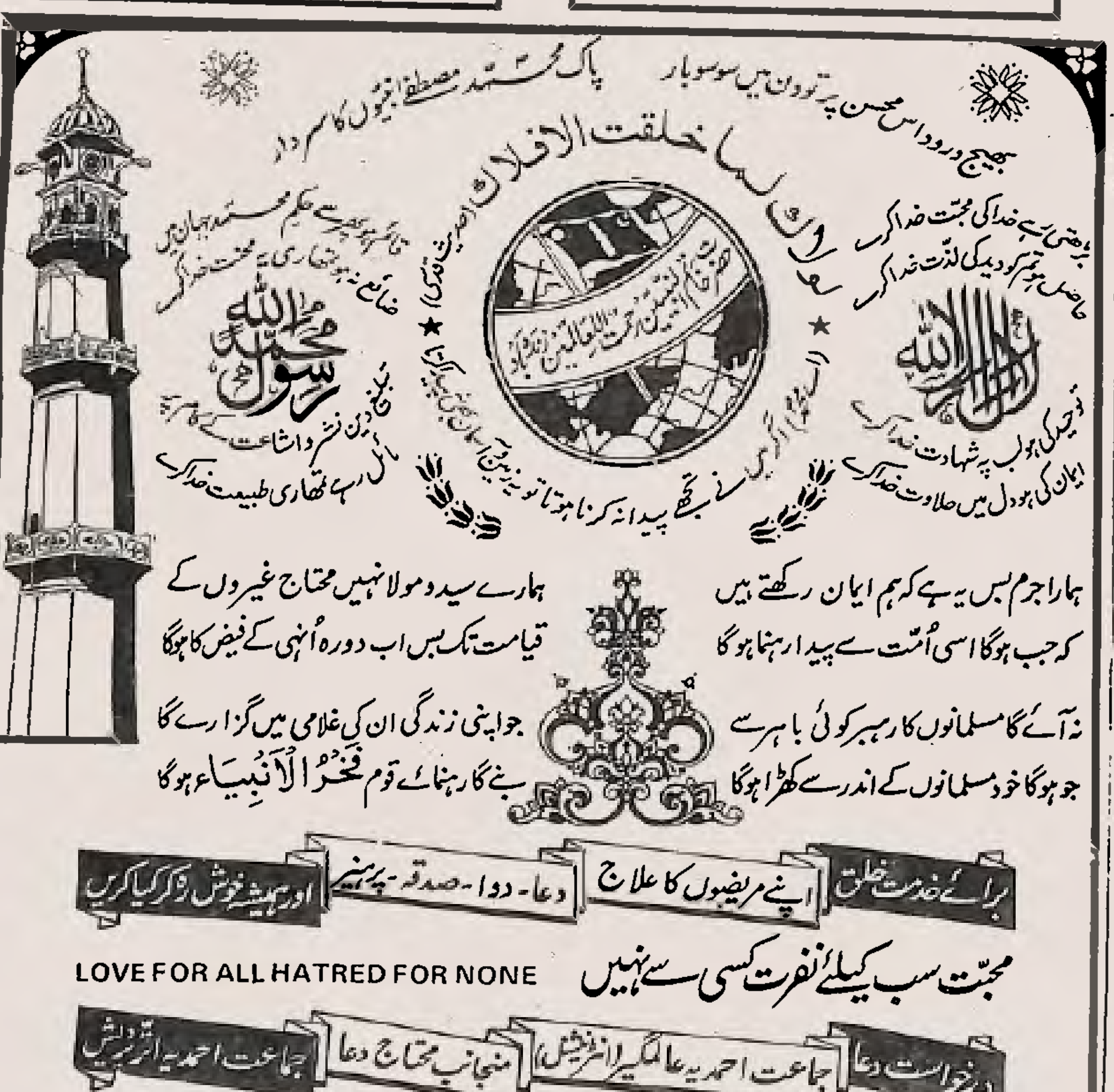

REGISTERED WITH THE REGISTRAR OF NEWS PAPER FOR INDIA AT NO-R.N61/57

Subscription
Annual Rs/-150
Foreign
By Air : 20 Pound or 40$ U.S.A
: 60 Mark German
By Sea : 10 Pound or 20$ U.S.A

The Weekly BADR

.Qadian 143516, Distt. Gurdaspur Punjab ((INDIA)

☎ (091) 01872-70757
FAX:(091) 01872-70105

Vol - 48 Thursday, 15th July, 1999 Issue No-28

سرحدی علاقوں کے ایک لاکھ سے زائد افراد ہجرت کر گئے

جموں کشمیر سرکار نے ان کی ریلیف کیلئے ابھی تک کچھ نہیں کیا

جموں ۹ر جون (نامہ نگار) جموں کشمیر میں سرحد پار سے پاکستانی فوجوں کی فائرنگ اور گولہ باری کی وجہ سے ایک لاکھ سے زائد افراد بُری طرح متاثر ہیں۔ ایک اندازہ کے مطابق اکیلے اکھنور سیکٹر سے سرحدی علاقوں سے ۵۰ ہزار افراد ہجرت کر کے محفوظ مقامات پر چلے گئے ہیں اس کے علاوہ آر ایس پورہ اور سانبہ سیکٹروں سے ۱۰۰۰۰ کے قریب افراد ہجرت کر چکے ہیں اس ماہ کے آغاز سے پونچھ راجوری اور جموں اضلاع کے سرحدی علاقوں کے آدھی درجن کے قریب افراد ہلاک ہو چکے ہیں اور کرگل علاقوں سے قریباً ۱۳۰۰۰ افراد بے گھر ہو گئے۔ ان ہجرت کرنے والوں کے علاوہ ۱۰۰۰۰ کے قریب افراد نے ماہور ارناس اور کچھ دیگر علاقوں سے ہجرت کی اور محفوظ مقامات پر چلے گئے۔ (ہند سماچار ۹۹-۶-۳۰)

امتحان دینی نصاب مجلس انصار اللہ بھارت

برائے سال ۹۹

اس سال امتحان دینی نصاب کی تاریخ ماہ اگست کا آخری اتوار 29-8-99 مقرر کی گئی ہے نصاب کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ قرآن مجید باترجمہ پارہ لایحب اللہ سورہ النساء آیت ۱۴۹ تا آخر سورہ آیت ۱۷۷ نمبر ۵۰۔
۲۔ کتاب پیغام صلح (مکمل) نمبر ۲۵۔
۳۔ دینی معلومات کا بنیادی نصاب صفحہ ۱۶۰ تا صفحہ ۱۸۸ نمبر۔ ۲۵

نوٹ:۔ اپنے طور پر مطالعہ کیلئے سال رواں کے دوران کتاب کشتی نوح (نصف اوّل) مقرر کی گئی ہے۔ اس کا امتحان نہیں لیا جائے گا۔ حسب سرکلر حضور انور مورخہ ۹۳-۱۱-۱۸ نماز ظہر یا عصر یا مغرب کے معاً بعد دس منٹ قرآن مجید ناظرہ اور باترجمہ کی اجتماعی کلاس ہو۔ جن مجالس میں یہ ممکن نہ ہو ان میں کوئی متبادل انتظام کیا جائے اور کارگزاری کی رپورٹیں باقاعدہ بھجوائی جائیں۔

ضروری ہدایات برائے مذکورہ بالا تعلیمی نصاب شق نمبر (۱) صف دوئم کے انصار سے باقاعدہ معروف طریق کے مطابق امتحان لیا جائے گا۔

شق نمبر (۲) صف اوّل کے انصار کو Open Book Examination کی رعایت دی جاتی ہے البتہ ان میں سے جو انصار شق نمبر (۱) کے معیار کے مطابق امتحان دینا چاہیں انہیں اجازت ہے۔

شق نمبر (۳) مندرجہ بالا دونوں شقوں کے علاوہ جو انصار کسی معذوری کے باعث اگر پرچہ جات نہ لکھ سکتے ہوں اُن سے زبانی امتحان لیا جائے گا۔ براہ کرم جملہ اراکین مجلس انصار اللہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں اس امتحان میں شامل ہوں۔ جن مجالس کی طرف سے مجوزہ دینی نصاب کی کتب کا آرڈر ملے گا انکی طرف سے آرڈر ملنے پر کتب قیمتاً دفتر مہیا کر دے گا۔ انشاء اللہ۔

(صدر مجلس انصار اللہ بھارت)

حق و ھدایت کے حصول کی دُعا

وَمَاتَوفِیْقِی الاَّ بِاللّٰہِ رَبِّ انطِقنا بِالحَق وَاکشِف عَلَینا الحَقَّ وَاھدِ نا الیٰ حَقٍّ مُبِین

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۲۱۴)

ترجمہ: اور مجھے کوئی توفیق حاصل نہیں سوائے اللہ کے فضل کے۔ میرے رب میری زبان پر حق جاری فرما دے اور ہم پر حق کھول دے اور ہمیں کھلی کھلی صداقت کی طرف رہنمائی فرما۔

بقیہ صفحہ: (اوّل)

طاقت ملتی ہے اور انسان شیطانی حملوں سے بچ جاتا ہے۔ یاد رکھو کہ اِس سلسلہ میں داخل ہونے سے دنیا مقصود نہ ہو بلکہ خدا تعالیٰ کی رضا مقصود ہو۔ کیونکہ دنیا تو گذرنے کی جگہ ہے وہ تو کسی نہ کسی رنگ میں گذر جائے گی۔

شب تنور گذشت و شب سمور گذشت

دنیا اور اُس کے اغراض اور مقاصد کو بالکل الگ رکھو۔ اُن کو دین کے ساتھ ہرگز نہ ملاؤ کیونکہ دنیا فنا ہونے والی چیز ہے اور دین اور اُس کے ثمرات باقی رہنے والے۔ دنیا کی عمر بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ ہر آن اور ہر دم میں ہزاروں موتیں ہوتی ہیں۔ مختلف قسم کی وبائیں اور امراض دنیا کا خاتمہ کر رہی ہیں۔ کبھی ہیضہ تباہ کرتا ہے۔ اب طاعون ہلاک کر رہی ہے۔ کسی کو کیا معلوم ہے کہ کون کب تک زندہ رہے گا۔ جب موت کا پتہ نہیں کہ کس وقت آجائے گی۔ پھر کیسی غلطی اور بیہودگی ہے کہ اُس سے غافل رہے اِس لئے ضروری ہے کہ آخرت کی فکر کرو جو آخرت کی فکر کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا میں اُس پر رحم کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جب انسان مومن کامل بنتا ہے تو وہ اُس کے اور اُس کے غیر میں فرق رکھ دیتا ہے اِس لئے پہلے مومن بنو۔ اور یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ بیعت کی خالص اغراض کے ساتھ جو خدا ترسی اور تقویٰ پر مبنی ہیں۔ **دنیا کے اغراض کو ہرگز نہ ملاؤ نمازوں کی پابندی کرو اور توبہ واستغفار میں مصروف رہو۔ نوع انسان کے حقوق** کی حفاظت کرو اور کسی کو دُکھ نہ دو۔ راستبازی اور پاکیزگی میں ترقی کرو تو اللہ تعالیٰ ہر قسم کا فضل کر دے گا۔ عورتوں کو بھی اپنے گھروں میں نصیحت کرو کہ وہ نماز کی پابندی کریں اور اُن کو گلہ شکوہ اور غیبت سے روکو۔ **پاکبازی اور راستبازی اُن کو سکھاؤ ہماری طرف سے صرف سمجھانا شرط ہے اُس پر عملدرآمد کرنا تمہارا کام ہے۔**

پانچ وقت اپنی نمازوں میں دُعا کرو۔ اپنی زبان میں بھی دُعا کرنی منع نہیں ہے۔ نماز کا مزا نہیں آتا ہے جب تک حضور نہ ہو اور حضور قلب نہیں ہوتا ہے جب تک عاجزی نہ ہو عاجزی جب پیدا ہوتی ہے جو یہ سمجھ آجائے کہ کیا پڑھتا ہے اِس لئے اپنی زبان میں اپنے مطالب پیش کرنے کیلئے جوش اور اضطراب پیدا ہو سکتا ہے مگر اِس سے یہ ہرگز نہیں سمجھنا چاہئے کہ نماز کو اپنی زبان ہی میں پڑھو۔ نہیں میرا یہ مطلب ہے کہ مسنون ادعیہ اور افکار کے بعد اپنی زبان میں بھی دُعا کیا کرو۔ ورنہ نماز کے اُن الفاظ میں خدا نے ایک برکت رکھی ہوئی ہے۔ نماز دُعا ہی کا نام ہے۔ اس لئے اُس میں دُعا کرو کہ وہ تم کو دنیا اور آخرت کی آفتوں سے بچاوے اور خاتمہ بالخیر ہو۔ اپنے بیوی بچوں کیلئے بھی دُعا کرو۔ نیک انسان بنو اور ہر قسم کی بدی سے بچتے رہو۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۳۸ صفحہ ۲ بابت ۱۷ر اکتوبر ۱۹۰۳ء)

درخواست دُعا

میری دختران شبنم فرحانہ نے امسال S.S.C.S. امتحان میں ۸۳ فیصد کے ساتھ اور دوسری لڑکی عزیزہ فرحانہ انجم نے ساتویں جماعت کے بورڈ کے امتحان میں ۸۷ فیصد نمبرات سے کامیابی حاصل کی ہے۔ دونوں بچیوں کی مزید دینی دنیاوی ترقیات کیلئے درخواست دُعا ہے۔ (نعیم احمد تماپوری ایڈووکیٹ صدر جماعت)

PRIME AUTO PARTS
HOUSE OF GENUINE SPARES
AMBASSADOR
&

MARUTI
P, 48 PRINCEP STREET
CALCUTTA- 700072 ☎ 26-3287

طالب دُعا: محبوب عالم ابن محترم حافظ عبدالمنان صاحب مرحوم
M/S NISHA LEATHER
Specialist in Leather Belts, Leather Ladies & Gents Bag, Jackets Wallets etc.
19A, Jawahar Lal Nehru Road
Calcutta- 700081 ☎ 2457153

دُعاؤں کے طالب
محمود احمد بانی
منصور احمد بانی | اسد محمود بانی
کلکتہ
BANI®
موٹر گاڑیوں کے پرزہ جات
Our Founder:
Late Mian Muhammad Yusuf Bani
(1908 - 1968)
AUTOMOTIVE RUBBER CO.
BANI AUTOMOTIVES | BANI DISTRIBUTORS
5, Sooterkin Street, Calcutta-700 072
: SHOWROOM: 237-2185, 236-9893 WAREHOUSE: 343-4006, 343-4137 RESI: 236- 2096, 236 -4696, 237-8749 FAX NO: 91-33-236-9893